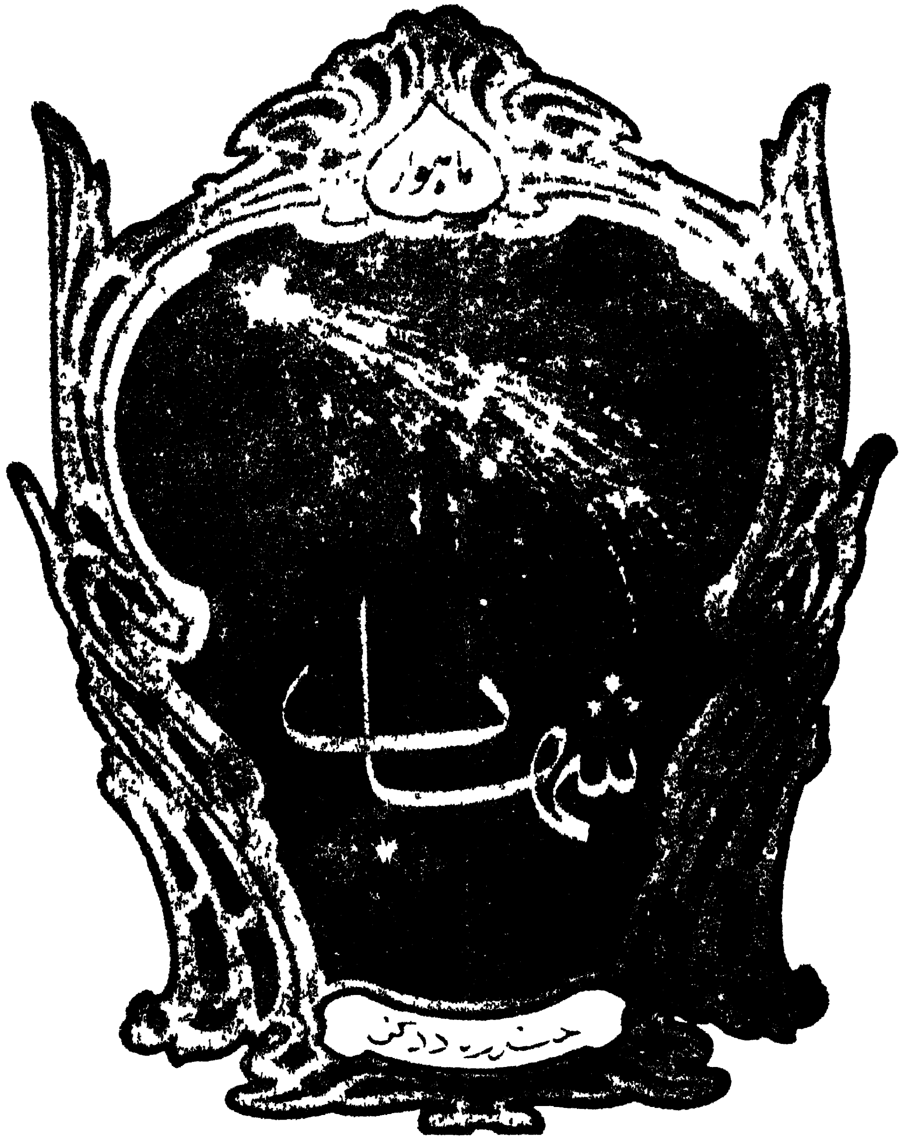
U.9116



انجمن آرٹ پرنٹنگ پریس
چھتہ بازار حیدرآباد دکن

شہاب

جلد ۱۷ فروردی ۱۳۵۸ف م فروری ۱۹۴۹ء نمبر (۵)

چندہ سالانہ مرتبہ = محمد عبد الرزاق (بسمل) (ـــ)

میڈلین اسمتھ

جناب مرزا حسین احمد بیگ صاحب سابق جج ہائیکورٹ

انگلستان میں اس مقدمہ نے خاص شہرت حاصل کی ہے متعدد قانون داں اشخاص نے اسکی روئداد پر رائے زنی کر کے مختلف خیالات ظاہر کئے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اس عورت پر قتل کا الزام ثابت تھا۔ عدالت نے صحیح فیصلہ نہیں کیا۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ بے قصور تھی اور عدالت نے صحیح طور پر اسکو بری کیا۔
۳۰ر جون ۱۸۵۷ء کو ایڈنبرا کی عدالت میں ایک نوجوان خوبرو لڑکی کے مقابلہ میں مقدمہ کی تحقیقات آغاز ہوئی۔ الزام یہ تھا کہ اس نے اپنے عاشق ایمیل ل انجیلیر کو زہر خورانی کے ذریعہ ہلاک کر دیا۔ یہ مقدمہ چار فاضل حکام کے سامنے پیش ہوا۔ ان کی امداد کے لئے پندرہ اہلکاران جیوری بھی موجود تھے۔ کمرہ عدالت نامہ نگاروں اور مشہور شہریوں سے بھر گیا تھا۔

الزامات کی تفصیل یہ ہے۔ پہلا الزام یہ تھا کہ ۱۹ یا ۲۰ر فروری ۱۸۵۷ء کو ملزمہ نے مقتول کو سنکھیا یا کوئی اور زہر کھلایا تا کہ وہ ہلاک ہو جائے۔ دوسرا الزام یہ کہ اسی مہینہ کی ۲۲ یا ۲۳ کو پھر زہر دیا گیا۔ تیسرا الزام یہ کہ مارچ کی ۲۲ تا ۲۳ کو جو زہر دیا گیا اس سے مقتول کی ہلاکت واقع ہوئی ملزمہ نے ان الزامات کی صحت سے انکار کیا۔

واقعات لائق تذکرہ یہ ہیں کہ میڈلین اسمتھ ملزمہ کے والدین دولتمند اور ذی حیثیت لوگ تھے۔ انکا ایک مکان تو گلاسگو شہر میں تھا اور دوسرا ایک گاؤں میں تھا۔ ان کے پانچ بچے تھے ان میں ملزمہ سب سے بڑی تھی۔ چودہ سال کی عمر میں وہ تعلیم کی تکمیل کے لئے لندن کے ایک مدرسہ میں شریک کر دی گئی۔ وہاں سے فارغ ہو کر جب گھر آئی تو وہ ایک تعلیم یافتہ لڑکی شمار کی جاتی تھی۔ مگر مہمانداری کیا تھا امور خانہ داری کو انجام دینے کی سوسائٹی میں اسکی وقعت تھی کیونکہ حسن سیرت کیا تھا قدرت نے

ہنکو حسن صورت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ گفتگو اور نشست و برخاست میں کچھ ایسی دل آویزی تھی کہ شہر کے اکثر نوجوان اس پر عاشق ہونے لگے۔

اب ملزمہ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ عاشقوں کا ہجوم۔ عمر کا تقاضا اور شادی بیاہ کے معاملہ میں ایک حد تک آزادی۔ ان حالات میں اگر میڈلین کسی عاشق کو منتخب نہ کرتی تعجب ہوتا۔ مگر بدقسمتی سے اس نے انتخاب میں عقلمندی سے کام نہیں لیا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نوجوانی میں نشیب و فراز کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ محبت کے جذبات عقل پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔ میڈلین کا ایک عاشق ایمیل لی انجلیر نامی ایک نوجوان فرانسیسی نسل کا تھا۔ عمر میں میڈلین سے دس سال بڑا تھا۔ لیکن مالی حالت اور وجاہت ایسی نہ تھی کہ لڑکی کے خاندان والے اس رشتہ کو پسند کرتے۔ یہ نوجوان شہر کے کسی کارخانہ میں دس شلنگ فی ہفتہ کی تنخواہ پر ایک معمولی خدمت گار تھا۔

لی انجلیر کے اطوار بھی کچھ اچھے نہ تھے۔ متعدد لڑکیوں کے ساتھ وہ محبت کر چکا تھا اور [illegible] فخریہ بیان کیا کرتا تھا۔ اس نے میڈلین کو بازار میں کاروبار کرتے کئی دفعہ دیکھ لیا اور دل و جان سے عاشق ہو گیا۔ اس کا ایک دوست رابرٹ بیرڈ میڈلین کا بھی ملاقاتی تھا۔ اس کے توسط سے اس نے میڈلین سے ملاقات کا سلسلہ ڈالا۔ رفتہ رفتہ پوشیدہ طور پر ملتے رہے اور راز میں خط و کتابت بھی جاری ہو گئی۔ کسی طرح ان باتوں کی خبر میڈلین کے باپ کو ہو گئی۔ اس نے جیسا کہ چاہئے تھا بیٹی کو منع کیا کہ ایسے نالائق نوجوان سے میل جول ترک کر دو۔ باپ کے خیالات معلوم ہونے پر میڈلین نے دو دفعہ ترک تعلقات کی کوشش کی۔ عاشق سے پہلی ملاقات [illegible] ۱۸۵۵ء میں ہوئی تھی۔ اس کے کچھ دنوں بعد ترک ملاقات کی پہلی کوشش اس نے کی۔ دوسری کوشش [illegible] مہینوں کی گئی۔ مگر بدقسمتی سے طبیعت کمزور پائی تھی۔ دل پر قابو نہ تھا۔ اس عرصہ میں کچھ محبت بھی شروع ہو گئی تھی اور عورتوں کے دلوں میں جگہ کرنیکا خاص ملکہ حاصل تھا۔ اس لئے میڈلین اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئی۔ عاشق صورت شکل میں اچھا تھا۔ عشق کے جذبات دل پر اثر پیدا کر چکے تھے۔ والدین کی مخالفت ایسی صورتوں میں بعض دفعہ ضد پیدا کر دیتی ہے۔ یہی کیفیت یہاں بھی ہوگی۔

ایک آزاد خیال بڑھیا مس پیری اس نوجوان عاشق کی دوست تھی۔ اس نے امداد دیکر حالات کو اور بھی خراب کر دیا۔ اپنے گھر میں تخلیہ میں ملاقاتوں کا بندوبست کر کے عشق بازی میں سہولت پیدا کر دی۔ رفتہ رفتہ میڈلین کی ہمت بڑھ گئی۔ وہ کبھی کبھی رات کے وقت شہر کے مکان میں عاشق کو بلا لیا کرتی تھی

اور کبھی دیہاتی مکان میں یہ موقعہ دیا جاتا تھا ۔ بالآخر اسی مکان میں جون ۱۸۵۶ء میں میڈلین اپنے عاشق کی داشتہ بن گئی ۔ اس میں شبہ نہیں کہ میڈلین کی اپنی ذہنیت یہ تھی کہ محبت کے مقابلہ میں والدین کو چھوڑ دے اور عاشق کیساتھ شادی کر کے افلاس کی تکالیف برداشت کرے لیکن عاشق کا خیال کچھ اور تھا ۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ میڈلین کے والدین نکاح کی اجازت دینے پر مجبور ہو جائینگے ۔ بیوی کی پرورش کی ذمہ داری سے سبکدوشی ہو جائیگی اور سسرال میں خانہ داماد کی حیثیت سے زندگی خوب بسر ہوگی اسی خیال کے تحت اس نے میڈلین سے خواہش کی کہ اپنے والد سے ملاقات کرادو ۔ مگر وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ باپ قیامت تک اس رشتہ پر راضی نہ ہوگا ۔

نومبر ۱۸۵۶ء میں میڈلین کے والدین نے اپنا شہری مکان تبدیل کر دیا اور ایک دوسرے محلہ میں چلے گئے ۔ یہاں ان کے ہمسایہ ایک متمول درمیانی عمر کے سوداگر مسٹر ولیم میناک تھے ۔ میڈلین کے گھر میں ایک خادمہ مس ہیگرٹ تھی ۔ اسکی ساز باز سے میڈلین اس نئے مکان میں بھی اپنے عاشق سے ملتی رہی ۔ سال کے ختم ہونے تک کسی وجہ سے میڈلین کے جذبات سرد پڑ گئے ۔ عاشق کیساتھ وہ بات ختم ہوگئی اور ترک تعلقات کی کوشش پھر شروع ہوئی ۔ ہمسایہ مسٹر میناک نے میڈلین کے والدین کی رضامندی سے محبت کا سلسلہ ڈالا ۔ جنوری ۱۸۵۷ء میں میڈلین نے انکے ساتھ شادی کا وعدہ کر لیا ۔ مشکل یہ پڑ گئی تھی کہ میڈلین کی تصویر اور کچھ خطوط لی انجلیر کے قبضہ میں تھے اس نے نوجوان کو خط لکھا کہ اب حالات ایسے ہیں کہ میل جول ناممکن ہے ۔ یہ سلسلہ ختم ہونا چاہئے ۔ تم تصویر اور خطوط واپس کر دو ۔ لی انجلیر نے نہ صرف انکاری جواب دیا بلکہ دھمکی دی کہ خطوط تمہارے والدین کو بتا دیے جائینگے ۔

میڈلین کو جب اپنے ظالم عاشق کا یہ خیال معلوم ہوا تو قدرتاً پریشان خاطر ہوئی طرح طرح کے خیالات دل میں آنے لگے ۔ اس نے کوشش کی کہ خوشامد کے ذریعہ کام نکالا جائے ۔ ایک نہایت دردناک خط اسکو لکھا جسکا اقتباس درج کیا جاتا ہے ۔

"ایملی! برائے خدا میرے خطوط ابا کو نہ بھیجنا ۔ اس سے کھلی خانہ جنگی ہوگی ۔ میں گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جاؤنگی ۔ میں مر جاؤنگی ۔ ایملی! مجھ سے ملنے تک تم ایسا نہ کرو ۔ کل رات کو میری کھڑکی کے پاس آکر دو باتیں کر لو ورنہ میں دیوانی ہو جاؤنگی ۔ میں تم سے صداقت کے ساتھ محبت کرتی تھی ۔ پیارے ایملی! ایسا ظلم مجھ پر نہ کرو ۔ گو میں تم سے معافی بھی نہیں مانگ سکتی کیونکہ میں گنہگار ہوں میں نے تم کو دھوکہ دیا ہے ۔

لی انجلیر شریفانہ اور نیک جذبات سے بہت دور تھا۔ اس نے اس دردناک اپیل کی طرف سے اپنے کان بہرے کر لئے۔ اب میڈلین نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ وہ اپنے عاشق سے ملی۔ آپس میں صلح ہو گئی اور پہلے کی طرح اپنے عاشقانہ خطوط لکھنے شروع کر دیئے۔ صورت حال اور بھی پیچیدہ ہو گئی کیونکہ مسٹر مناک کیساتھ عشق کا سلسلہ برابر جاری تھا اور لی انجلیر کو اس نسبت کی اطلاع نہ تھی البتہ اس نے کچھ افواہ اس معاملہ سے متعلق سنی تھی اور ظاہر تھا کہ اصلیت کا اطمینان ہونے پر وہ کوئی سخت کارروائی کرتا۔ یہ فروری ۱۸۵۷ء کا دوسرا ہفتہ تھا اور حالات اس نوبت پر تھے۔

اس زمانہ میں صبح سے دو ایک روز قبل میڈلین نے قریب کے ایک دواساز کے پاس ایک لڑکے کے ذریعہ پرچہ پر یہ الفاظ لکھکر بھیجے "پروسک ایسڈ کی ایک چھوٹی سی شیشی"۔ قاعدہ کے لحاظ سے دواساز نے ایسا تیز زہر دینے سے انکار کیا۔ جواب سنکر میڈلین نے لڑکے سے کہا "خیر۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ میں اپنے ہاتھوں پر لگانے کیلئے یہ چیز چاہتی تھی"۔

۱۹ر فروری کو لی انجلیر چہل قدمی کے لئے باہر گیا۔ شام کو واپس آیا تو استفراغ کی شکایت سے بیمار رہا۔ پیٹ میں درد بھی مبتلا تھا۔ اسکی یادداشت میں جو شہادت کے طور پر عدالت میں قبول نہیں کی گئی لکھی تھا کہ اس روز چند منٹ کے لئے وہ مِیمی (یعنی میڈلین) سے ملا تھا۔ مس پیری سے بھی اس نے زبانی تذکرہ اس ملاقات کا کیا۔

۲۱ - فروری کو میڈلین نے مسٹر مرداک کی دوکان سے علانیہ طور پر سفید سنکھیا خریدی قانون کے مطابق اس میں کاجل شریک کر دیا گیا تھا۔ تین روز بعد میڈلین نے دواساز سے کہا سنکھیا تو سفید ہوتی ہے۔ تم نے اس میں کیا ملا دیا ہے اس نے قانون سمجھا دیا۔ مسٹر مرداک خاندان کا دواساز تھا۔ میڈلین کے والد کے کھاتے میں اس نے عمل کر لیا۔ دواساز سے میڈلین نے کہا تھا کہ دیہاتی مکان کا باغبان چوہوں کو مارنے کیلئے سنکھیا مانگتا ہے۔

۲۲۔ فروری کو پہلے کی طرح لی انجلیر دوبارہ بیمار ہوا۔ اب کی دفعہ دورہ اس قدر سخت تھا کہ آٹھ روز تک فراش رہا۔ اس زمانہ کی یادداشت میں اس نے لکھا ہے "ملاقاتی کمرہ میں مِمی سے ملا۔ اس نے مجھکو فرانسیسی انجیل دینے کا وعدہ کیا۔ بہت بیمار ہو گیا"۔

۶ - مارچ کو ایک دوست مس بکانن کی ہمراہی میں میڈلین نے مسٹر کری کی دوکان سے

۷ - آرنلڈ کی سنکھیا خریدی - کتاب میں اپنی دستخط کی اور مس بکانن سے کہا کہ چوہوں کو مارنیکے لئے اسکا بیپر کی ضرورت تھی - اس دفعہ سنکھیا میں نیل شریک تھا -

۹ - مارچ کو حسب بیان مس پیری اس سے لی انجلیر نے کہا "مجھ میں نہیں آتا کہ اس عورت کے ہاتھ سے کافی اور چاکلیٹ استعمال کرنیکے بعد میں اس قدر بیمار کیوں ہو گیا - میں اس لڑکی سے سچی محبت رکھتا ہوں - اگر وہ مجھکو زہر بھی دیدے تو میں اسکو معاف کر دونگا" مس پیری کا خیال ہے کہ اشارہ میڈلین کی طرف تھا -

۱۸ - مارچ کو میڈلین پھر مسٹر کری کی دوکان پر گئی - اور نیل ملا ہوا سنکھیا خریدا - اب کے بھی چوہوں کو مارنیکی غرض بتلائی -

لی انجلیر اپنے ڈاکٹر کے مشورہ پر تبدیل آب ہوا کے لئے - ۱۹ مارچ کو شہر کے باہر چلا گیا - اس روز اسکے چلے جانیکے بعد اسکے نام ایک خط آیا اس مکان میں اس کے ساتھ ایک اور کرایہ دار مسٹر ٹھاگو بھی رہا کرتا تھا اس نے یہ خط حسب ہدایت لی انجلیر کے پاس بھجوا دیا - یہ میڈلین کی جانب سے تھا - وہ چاہتی کہ اس روز رات کو اپنے عاشق سے ملاقات کرے -

۲۰ - مارچ کو لی انجلیر نے مس پیری کو لکھا کہ "میں اس رات کسی سے ملنے کے لئے واپس آتا مگر مجھکو خط دیر میں ملا" -

میڈلین نے اپنے عاشق کو پھر ایک خط حسب ذیل لکھا -

"میرے پیارے تم مجھے ملنے کیوں نہیں آئے ؟ میرے پیارے ! تم خیریت تو ہو گے - میں تمہاری منتظر رہی مگر تم نہ آئے - کل رات میں پھر تمہارا انتظار کرونگی - وہی وقت اور وہی پروگرام میرے شیدائی ! تم ضرور آنا - اور مجھکو اپنے گلے لگانا - آؤ تو تمہاری مسرت کا باعث ہوگا - ایک پیار اور میری محبت تو بعیت کیساتھ گلے لگتے ہوئے خدا حافظ"

اس خط پر تاریخ نہ تھی لیکن ڈاک خانہ کی مہر سے معلوم ہوتا تھا کہ گلاسگو شہر میں ۲۱ - مارچ کی صبح کو ڈالا گیا تھا - اسی روز دوپہر میں ساڑھے بارہ بجے وہ لی انجلیر کے مکان پر پہنچا دیا گیا - پولیس کا ادعا تھا کہ یہ خط میڈلین نے ہفتہ کے دن لکھا تھا - بعد اسمیں جو "کل رات" کے الفاظ ہیں ان سے اتوار کی رات کا ہے - لیکن صفائی میں کہا گیا

کہ خط جمعہ کی شام کو لکھا گیا اس لئے ملاقات ہفتہ کے دن قرار پائی تھی کیونکہ میڈلین کا خیال تھا کہ لی انجلیر شہر میں ہے۔ مسٹر تھاگو نے یہ خط اسٹرلنگ کے پتہ پر بھجوا دیا جہاں اتوار کے دن موسوم الیہ کو وصول ہوا۔ خوشلی انجلیر کا خیال آگیا تھا معلوم نہیں۔ یا وہ سمجھتا تھا کہ اتوار کی شام کو ملاقات کا وقت مقرر ہے یا محض امید تھی کہ اس رات میڈلین سے ملاقات ہوگی۔ الغرض وہ اس روز گلاسگو واپس ہوا اور شام کو آٹھ بجے کے قریب بظاہر تندرست اپنے گھر پہنچا۔ مالکہ مکان سے اس نے کہا کہ ایک خط کی بنا پر وہ واپس آگیا۔ ایک گھنٹہ بعد وہ باہر چلا گیا اور داخلہ کے دروازہ کی کنجی ساتھ لیتا گیا۔ غالباً خیال یہ تھا کہ واپسی دیر میں ہوگی۔ ۹½ بجے کے قریب اپنے ایک دوست سے ملنے گیا مگر وہ مکان پر نہ تھا۔ اس کے بعد کچھ معلوم نہ ہوسکا کہ رات کو ڈھائی بجے تک وہ کیا کرتا رہا۔ اسی وقت وہ مکان واپس آیا۔ یہ اتوار اور پیر کی درمیانی شب تھی۔ لیکن اس رات میڈلین نے اپنی پوری مصروفیت تفصیل کے ساتھ بیان کر دی۔ رات کو گیارہ بجے تک اپنے والدین کے ساتھ تھی اس کے بعد چھوٹی بہن کے ساتھ شب خوابی کے کمرہ میں جاکر سو گئی۔ بہن نے اس معاملے کی تصدیق کر کے کہا کہ رات کو میڈلین گھر سے باہر نہیں گئی۔ رات کو جس کانسٹبل نے اس محلہ میں گشت لگائی اس نے بیان کیا کہ مقتول کو اس رات اس نے نہیں دیکھا۔

اتوار اور پیر کی درمیانی شب کو ۲½ کے قریب مقتول کی مالک مکان نے داخلہ کے دروازہ پر زور سے گھنٹی بجنے کی آواز سنی۔ اس پر وہ نیچے گئی اور مقتول کو داخلہ دیا۔ اس وقت مقتول بہت تکلیف میں تھا۔ سابقہ علالت کے آثار ظاہر تھے۔ فوراً ایک ڈاکٹر کو طلب کر کے علاج شروع کرا دیا۔ کچھ دیر تک مقتول بہتر معلوم ہوا مگر پھر اس نے کہا ڈاکٹر کا جو کچھ خیال ہے اس سے میں بدتر ہوں۔ صبح کو اس نے مس پیری سے ملاقات کی خواہش کی۔ اسکو بلانے کیلئے آدمی بھیجا گیا مگر اس عرصہ میں لی انجلیر نے دم توڑ دیا۔ پنچ وجہ موت کا راز وہ اپنے ساتھ لے گیا۔ سرجن نے لاش کی اندرونی حالت کا امتحان کیا تو پتہ چلا کہ (۸۰) گرین سے زیادہ سنکھیا جسم کے اندر تھی۔ انسان کو ہلاک کرنیکے لئے دو گرین کافی ہوتی ہے۔

مقتول کے کمرے میں میڈلین کے خطوط پائے گئے۔ اسلئے پولیس کو شبہ ہوا کہ یہی لڑکی اس واقعہ کی ذمہ دار ہے۔ اس شبہ کی اطلاع ملنے کے قبل مس پیری میڈلین کی ماں کے پاس گئی۔ یہ اسکی پہلی

ملاقات تھی۔ اس سے حالات بیان کئے۔ بعد کو مکان کے ایک حصہ میں وہ میڈلین سے۔ بات چیت کی مگر اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔ ایک صاحب مسٹر ڈی مین مقتول اور میڈلین کے والد مسٹر اسمتھ سے واقف تھے۔ انہوں نے مسٹر اسمتھ کو اطلاع دی کہ تمہاری لڑکی کے خطوط شبہات پیدا کر رہے ہیں۔ مگر وہ خطوط انکے دسترس سے باہر ہیں۔ دو ایک روز بعد مسٹر ڈیمین نے ماں کی موجودگی میں میڈلین سے ملاقات کی۔ اسکو سمجھایا کہ حالات اس کے خلاف ہیں اور بہتر طریقہ یہ ہوگا صحیح بات بیان کردی جائے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ کسی نے ۲۲ تاریخ رات کو لی انجلیر کو تمہارے مکان میں داخل ہوتے دیکھا ہے اور وہ عدالت میں شہادت ادا کرے۔ یہ رائے سنکر میڈلین کرسی سے کھڑی ہوگئی اور بولی "مسٹر ڈیمین! میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے انجلیر کو اس روز نہیں دیکھا بلکہ کئی ہفتہ قبل ہی اس سے نہیں ملی"۔ یہ بھی کہا کہ جمعہ کے روز کا خط اس نے اس ارادہ سے لکھا تھا کہ اپنے خطوط واپس حاصل کرلے۔

اس ہفتہ کے دوران میں اسمتھ خاندان نے اپنا طرز عمل انجان رکھا۔ ۲۵۔ مارچ کو میڈلین مسٹر میناک کیساتھ ایک دعوت میں گئی۔ دوسرے دن علی الصبح والدین کی اطلاع بغیر دیہاتی مکان گئی۔ پولیس کا ادعا تھا کہ اس کی نیت فرار ہونیکی تھی۔ صفائی کی جانب سے کہا گیا کہ لوگ چرچا کرنے لگے تھے اس لئے شرم کے مارے وہ شہر سے چلی گئی۔ لارڈ جسٹس کلارک کا خیال تھا کہ میڈلین نے دوا ساز سے کہا تھا کہ چوہوں کو مارنے کیلئے زہر کی ضرورت ہے۔ اور زہر باغبان کے حوالے کیا جائیگا۔ اس بیان کے بعد اسکو خیال ہوا کہ کہیں باغبان اس بیان کی تردید نہ کردے اسی لئے وہ دیہاتی مکان چلی گئی تاکہ اس کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کیا جا سکے۔

اصلیت خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو میڈلین کو باغبان سے تنہا ملاقات کا موقع ہی نہیں ملا مسٹر میناک اور میڈلین کے بھائی نے صبح کے وقت میڈلین کو دیکھا تو اسٹیمر کے ذریعہ دیہاتی مکان جارہی تھی۔ کچھ دیر بعد یہ دونوں بھی گئے اور اوسکو واپس لے آئے۔ بتاریخ ۳۱۔ مارچ یوم سہ شنبہ صبح کے وقت میڈلین نے از خود مسٹر میناک سے دوران گفتگو کہا کہ سنا جاتا ہے کہ لی انجلیر کو زہر دیا گیا تھا۔ یہ بھی کہا کہ میں زہر خریدتی رہی ہوں کیونکہ مدرسہ میں سنا تھا کہ چہرے کے رنگ کے لئے وہ اچھی چیز ہے۔ اس دن شام کو وہ گرفتار کر لی گئی۔

پولیس کے سامنے اس نے نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ بیان دیا خلاصہ بیان یہ ہے کہ

لی انجلیر کی وفات سے تین ہفتہ قبل اس سے ملاقات ہوئی تھی - اوس وقت سلاخ دار کھڑکی
میں سے اس نے بات کی - اس سے قبل ایک دفعہ متوفی کو اس نے کوکو پلائی تھی - تسلیم کیا کہ
سنکھیا خریدا تھا - وجہ یہ بتلائی کہ چہرہ صاف کرنے کے لئے استعمال کرتی تھی - لیکن دوا فروش
سے کہا تھا کہ چوہے مارنے کے لئے خرید رہی ہے کیونکہ وہ اصلی مقصد اس پر ظاہر کرنا پسند نہیں کرتی
تھی - متوفی کو اس نے نہ تو زہر کھلایا اور نہ کسی دوسرے کو دیا کہ کھلا دے -

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ اس واقعہ نے خاص شہرت حاصل کر لی تھی - مقدمہ کی سماعت
کیلئے نا صرف عوام کثرت سے آتے تھے بلکہ اڈنبرا کے امراء اور معزز سرکاری عہدہ دار بھی
موجود رہتے تھے - فریقین کی جانب سے اسکاٹ لینڈ کے نامی گرامی وکلاء کام کر رہے تھے -
گواہوں کے بیانات ہو جانیکے بعد ان وکلاء نے فصیح و بلیغ تقاریر کیں - صفائی کے وکیل نے اپنی
پرجوش تقریر سے اراکین جیوری کے جذبات کو مشتعل کرنیکی بہترین کوشش کی - اپنی طویل بحث کے ختم پر
انہوں نے کہا جیوری سے رخصت ہوتے وقت میں کبھی اس قدر متاثر نہیں ہوا تھا - باوجود اس طویل
بحث کے آج پہلی دفعہ میرا یہ خیال ہوا ہے کہ میں نے بہت مختصر تقریر کی - - - - - - آپ کی تجویز اور
رائے سے مجھکو ذاتی دلچسپی ہو گئی ہے - کیونکہ اگر انصاف کا خون ہوا تو میں سمجھونگا کہ نالائقی کی وجہ
سے اپنے فرائض کو بخوبی انجام نہ دے سکا - اور یہ خیال مجھ پر غالب ہوتا جاتا ہے کہ اگر ایسا ہوا
تو ساری عمر اس دن اور ملزمہ کی یاد مجھکو چین نہ لینے دیگی "

لارڈ جسٹس کلارک نے قابلیت کے ساتھ جیوری کو مخاطب کیا - ان کی تقریر ملزمہ
کے حق میں نہ تھی - البتہ پہلے الزام کی نسبت انہوں نے ہدایت دی کہ ملزمہ کو بری کرنا چاہئے کیونکہ
وہ ثابت نہیں ہے - انہوں نے کہا اسکا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ متوفی کی پہلی علالت زہر خورانی سے
ہوئی تھی - نہ اس کا ثبوت ہے کہ اس زمانہ میں ملزمہ کے پاس سنکھیا یا کسی دوسری قسم کا زہر تھا - اراکین
جیوری نے تقریباً نصف گھنٹہ تک غور کرنے کے بعد اپنی رائے ظاہر کی - پہلے الزام کے متعلق غلبہ آراء یہ تھا
کہ ملزمہ براءت کی مستحق ہے - دوسرے الزام کی بابت غلبہ اس پر تھا کہ کوئی بات تحقیق نہ ہو سکی
تیسرے الزام یعنی قتل کی نسبت غلبہ آراء اس پر تھا کہ ثابت نہیں ہے -
[illegible] عدالت نے مجبوراً اتفاق کر کے ملزمہ کو رہا کر دیا - گو ملزمہ [illegible]

کی زندگی کے متعلق مختلف روایات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ والدین کا برتاؤ سخت ہو گیا تھا۔ میڈلین ان سے الگ ہو گئی اور ایک ناقص العقل ڈاکٹر کے ساتھ نکاح کر کے آسٹریلیا چلی گئی۔ وہاں ڈاکٹر کا انتقال ہو گیا تو دوسرا نکاح کیا اور شوہر کے ساتھ لندن آئی۔ کچھ عرصہ تک مسرت کی زندگی بسر ہوئی۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ عورت وہی ہے جس پر اپنے عاشق کے قتل کا الزام تھا۔ اس علم کے بعد دوستوں کا دائرہ محدود ہونے لگا۔ میڈلین نے بھی گوشہ نشینی اختیار کر لی اور (۵۵) سال کی عمر میں انتقال کیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ ایک مصور کے ساتھ نکاح کر کے امریکہ چلی گئی تھی۔ چنانچہ لارڈ برکن ہیڈ لکھتے ہیں کہ ۱۹۲۶ء میں نود سال سے زائد عمر پانے کے بعد امریکہ میں وہ فوت ہوئی۔

میڈلین معصوم تھی یا گنہگار؟ اس سوال کا جواب صحیح طور پر اور یقین کے ساتھ دینا بہت بہت مشکل ہے۔ آج اس قدر عرصہ گزر جانے کے بعد رائے زنی بے سود ہے۔ ایک اصولی رائے تو یہ ہو سکتی ہے کہ جن لوگوں کے سامنے گواہوں کے بیانات ہوئے اور وکلائے فریقین نے مباحث پیش کئے انکو صحیح رائے قائم کرنے کا زیادہ موقعہ تھا اس لئے سمجھنا چاہیئے کہ عدالت کا فیصلہ صحیح ہے تاہم بعض حضرات مختلف رائے بھی رکھتے ہیں۔

سب سے پہلے سوال وجہ تحریک جرم کی نسبت پیدا ہوتا ہے۔ میڈلین کے سوا کسی اور پر شبہ کرنے کی وجہ ظاہر نہیں ہوئی۔ میڈلین کو البتہ فکر دامنگیر تھی کہ کہیں یہ شخص اسکے خطوط کو علانیہ نہ بتلا نا نہ پھرے وہ چاہتی تھی کہ کسی طرح ان خطوط کو تلف کر دے مگر وہ مقتول کے قبضہ میں تھے۔ خطوط کے سوا میڈلین کو اپنے عاشق کے قتل میں کوئی اور وجہ دلچسپی کی نہ تھی۔ میڈلین کے مقید یہ بات ضرور پیدا کی جا سکتی ہے کہ محض عاشق کو قتل کر دینے سے اسکی غرض پوری نہ ہو سکتی تھی کیونکہ خطوط کا واپس ملنا اس کے دسترس سے باہر تھا۔ خطوط مقتول کے مکان میں محفوظ تھے۔ موت واقع ہونیکے بعد ظاہر ہے کہ اس کا سامان ان لوگوں کے قبضہ میں جاتا جو اس مکان میں رہتے تھے اور اس کے بعد پولیس قابض ہوتی میڈلین کے پاس کوئی ذریعہ ان خطوں پر قبضہ کرنیکا نہیں تھا اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ وجہ تحریک کافی نہ تھی۔ مخالفین بجا طور پر یہ حجت برپا کر سکتے ہیں کہ میڈلین ایک نوعمر ناتجربہ کار لڑکی تھی۔ عاشق سے اپنا پیچھا چھڑانے کی فکر میں پریشان تھی۔

اس کا کوئی مشیر نہ تھا ۔ وہ نہ تو قانون داں تھی اور نہ دنیا کے نشیب و فراز سے واقف ۔ اسکے لئے موقعہ نہ تھا کہ ان تمام باریکیوں پر غور کرتی ۔ اس نے جو کچھ بھی کیا وہ انتقام کے جذبہ کے تحت تھا اور یہ جذبہ انسان کو اندھا کر دیتا ہے ہماری راے میں یہ بحث لائق التفات ہے ۔

جہاں تک شہادت کا تعلق ہے تین امور غور طلب ہیں ۔ وہ یہ ہیں ۔ (۱) کیا مقتول کی ہلاکت زہر خورانی سے ہوئی تھی (۲) جس زمانہ میں مقتول علیل ہوا میڈلین کے قبضہ میں زہر تھا (۳) میڈلین نے راست یا واسطہ سے مقتول کو زہر دیا ۔

پہلا الزام کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا ۔ مقتول کی علالت کی تواریخ میں اختلاف ہے ۱۹ فروری کا تعین مس پیری نے کیا تھا ۔ یہ بھی کہا کہ اس رات مقتول میڈلین سے ملنے والا تھا مگر تواریخ کا اسکو یقین نہ تھا مالکہ مکان مسز جنکنس نے کہا کہ دوسری دفعہ مقتول ۲۲ فروری کو علیل ہوا اور اس سے آٹھ یا دس روز قبل وہ پہلی دفعہ علیل ہوا تھا ۔ اس حساب سے پہلی علالت ۱۲ ۔ یا ۱۴ فروری کو ہوئی ہوگی ۔ اسکا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اس زمانہ میں میڈلین کے پاس زہر تھا یا اس نے مقتول کو دیا ۔ دوسری علالت ۲۲ ۔ فروری کو ہوئی ۔ اس کا ثبوت کافی پیش کیا گیا ۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ میڈلین نے ۲۱ ۔ فروری کو زہر خریدا تھا مگر یہ ثابت نہیں ہے کہ دونوں میں ملاقات ہوئی تھی یا میڈلین نے کسی اور طریقہ سے زہر دیا تھا علالت زہر خورانی سے ہوئی تھی تشفی بخش طریقہ پر ثابت نہیں ہے ۔ تیسرے الزام میں بھی یہ نقص ہے کہ ملاقات ہونیکا ثبوت نہیں ہے ۔ البتہ میڈلین کے خلاف قیاس قائم کرنیکے لئے چند قرائن موجود ہیں ۔ ایک تو وجہ تحریک جس کا ذکر اوپر ہوا ۔ دوسرے یہ کہ اس نے زہر ایسے زمانہ میں خریدا جبکہ مقتول کے ساتھ اسکے تعلقات خراب ہو چکے تھے ۔ زہر خریدنیکی وجہ میں اسکی اختلاف بیانی اور کسی ثبوت کا نہ ہونا ۔ مقتول کے لئے خودکشی کی کوئی وجہ نہ تھی ۔ اس کا کوئی اور دشمن ظاہر نہیں ہوا ۔ بہرکیف میڈلین کے خلاف شبہ کرنیکے لئے وجوہ کافی موجود ہیں مگر اس کو شبہ کا فائدہ اس کو ملنا چاہیئے تھا جو دیا گیا ۔

یہ واقعہ کافی عبرت انگیز ہے ۔ والدین کی مرضی کے خلاف بے جوڑ نسبت قائم کرنیکی کوشش اکثر اوقات تو جوانوں کی زندگی کو برباد کر کے رہتی ہے ۔

غزل

ساقی

مجازاً ہی سہی لیکن حقیقت کو عیاں کر دے
بس اے جذبِ الفت ختم بحث این و آں کر دے

وہ ہرجائی ہے؟ اے جذب تصور کام کر اپنا
ہماری بیخودی کو پردہ دار لامکاں کر دے

حریم ناز میں اتنا کرم کر جلوۂ جاناں تو
بہلا دے غم گساری رازداں کو بدگماں کر دے

یہ وقت امتحاں ہے جلوہ فرمائی سے کچھ پہلے
شکیبائی کو دزدیدہ نگہ سے نیم جاں کر دے

ترے بیمار الفت کی اگر قسمت میں صحت ہو
مداوا کا اثر یارب نصیب دشمناں کر دے

بھٹک کر تری منزل سے قدم گر جادہ پیما ہو
مٹا دے خاک کر دے تاکہ گرد کارواں کر دے

ریاض دہر میں کانٹوں سے بھی دل میں خلش گر ہو
نشیمن کو الٰہی نذر برق آشیاں کر دے

تری الفت کا دم بھرنے میں دم بھر کی جو غفلت ہو
نوید زیست کو پیغام مرگ ناگہاں کر دے

مٹا دے اعتبار زندگی کو جیتے جی میرے
میرے قصہ کو ہم عنوان یاد رفتگاں کر دے

فلک کی شعبدہ بازی سے عاجز آ گیا ساقی
الٰہی رحم کر برہم طلسم جسم و جاں کر دے

دزدیدہ نگاہ

(ایک واقعہ کی یاد میں)

عمران

دزدیدہ فگندی ایں نازنگاہ ہے
قربان نگاہ ہے تو شوم یار نگاہ ہے

سکون مطلق میں باعث جنبش — اطمینان قلب میں موجب کاہش — جذبہ اشوق میں وجہ افزونی آتش — آرزوئے یاس میں سبب خواہش — برق جنہدہ سیماب دست مرتعش — خورشید لرزاں الماس تابش — اختر چشمک سیارۂ گردش — وضع مدنگی — قابل ستائش نیچر کی لاڈلی — نیچر کی انوکھی صنعت — نیچر کی پیاری — نیچر کی موہنی مورت — تیری تحریر میں نہ آنے والی ادائیں — تیرا غیر محسوس انداز رفتار — تیری نگاہیں — تیری گفتار — یاد ہے مدت العمر یاد رہیگی

مگر ہاں تیری وہ دزدیدہ نگاہ، یہ سمجھکر کہ کوئی دیکھتا تو نہو دیکھنا — پھر یہ دیکھکر کہ کوئی دیکھتا ہے — اپنی نگاہ سے تجاہل عاشقانہ کر جانا اور دیدہ و دانستہ دعوی اپنے دلکو صریح دہوکہ گویا دیکھا ہی نہیں — حالانکہ سب کچھ دیکھہ لیا !!

شہید نگاہ — بسمل تیغ ابرو — شیدائی صورت برباد شدہ ہستی — فنا ہو چکا — فنا ہو رہا ہے فنا ہو جائیگا —

مری ہستی موہوم — میری حیات عارضی میری بے نوا خوش بیانی — میری بے سروسامانی

میرے جذبات - میری خواہشات - میرے حسیات - میرے مدرکات - غرض نیچر کے عطا کردہ نوازشات - نوازمات - عنایات - تیری دزدیدہ نگاہی کے وقف رہن - ہبہ بلا معاوضہ - بیع وشری ہیں - ہاں! ہاں! یہ اوس دزدیدہ نگاہ کے جس سے صاف پتہ چلا رہا تھا کہ میں لوٹا جا رہا ہوں - برباد کیا جا رہا ہوں - مگر تاب مقابلہ - ہمت مدافعہ پر دسترس نہیں -

گر پھر بھی اوسی دزدیدہ نگاہی سے دیکھے جانے کے لئے بیچیں مضطر - نعل در آتش - یہہ درخواست تو نہیں - کہ پھر اوسی انداز سے دیکھ :

محبت سے نہ دیکھو تم تو دشمن کی نظر دیکھو — خفا ہو کر - بگڑ کر - روٹھ کر - دیکھو - مگر دیکھو

نور مجسم - آتش گداختہ - بستہ سیاہی شب ہجر - غنچہ نیم شگفتہ - تجھے اپنے اوصاف کی کچھ خبر بھی ہے ؟

ہائے کیوں - ہونے بھی - خدا کرے کہ نہ ہو - کیونکہ جو لطف ناواقفیت میں ہے وہ واقفیت میں کہاں ؟ اللہ تو دیکھ - ضرور دیکھ - مگر اپنی نگاہ سے تجاہل عارفانہ نہ کر جانا تجھے معلوم نہیں - کہ اس تیرے تجاہل سے کسی کے خرمن صبر و آرزو پر بجلی کیا اثر دکھاتی ہے اشک حسرت خانہ چشم سے بیساختہ کیوں نکل پڑتے ہیں ؟

مجبور ہے ورنہ میرے بس کا ہوتا تو دکھا دیتا کہ تیری دزدیدہ نگاہ کو کیا کرتا - غرض تمنا کے لئے زبان نہیں -

تا چہا آئینہ حسرت دیدار توام — جلوہ برخود کن و ما را بہ نگاہے دریاب

بلبل نا تو شیدائی میرے زخم کبھی کیسے نمک پر جراحت کا اثر رکھتی ہے تو کوئل کی کوک سے دل میں میٹھی ہوک اوٹھتی ہے خندہ گل میری ہستی خاموشی پر مضحکہ خیز ہے تو قطرہ شبنم حیات دو روزہ پر مشغول گریہ - تیری دزدیدہ نگاہ کے وہ تیر جو پے در پے میرے مجروح دل پر بیٹھتے ہیں وہ سی اندھے نٹ کھٹ کیوپڈ سے کہیں زیادہ ہیں جس کا کام بجز تیر چلانے کے اور کچھ نہیں حالانکہ اس میں اوس کا کوئی فائدہ ہی نہیں اگر امتحان ہی منظور ہو تو اپنے ترکش میں جتنے تیر ہیں پھینک ممکن نہیں کہ سب آرزو سے شکوہ سوال پیدا ہو بلکہ ہر تیر پر میرا و جان

زخم ۔ مرحبا کی صدائیں لگائے گا حسنت اورزہ کی آواز تجھے تسکین پہونچائی گی۔
آخر میں میری اتنی عاجزانہ درخواست ہے جسکی پذیرائی دنیا تیرا کام ہوگا۔

پھر تبسم ہو وہی پھر ہوں وہی اٹکھیلیاں　　پھر نگاہیں لوٹ ہوں تیرے نگاہ ناز

اللہ یہ دشمن دین و ایمان کی تخلیق کا یہی مقصد ہے کہ دلوں کو لوٹ لیں ۔ تباہ و برباد کردیں۔

زردیدہ نگاہوں کے تصدق تیر معشوق　　جس نے مجھے لوٹا وہ رہے شاد ہمیشہ ۔۔

قابل فروخت

دنیا میں انقلاب ہے جو شئے آج ہے وہ کل نہیں مل سکیگی ۔ ادبی ذوق رکھنے والے اور عکاسی کے شوقین فائدہ اٹھائیں
کتابیں ۔ گلم سنز یعنے تاریخ قلم رو ے نظام با تصویر اردو ۔ حیدرآباد ڈیکوٹریل دو جلد
انگریزی ۔ الہلال مکمل تین جلدیں ۔ تمدن عرب ۔ تمدن ہند طبع اول ۔ لسن دی فیمس با تصویر فرنچ
زبان میں ۲ جلدیں ۔ مختلف ممالک کے ٹکٹ کا فی ذخیرہ اور سکہ جات ۔ ناولس ۔ ادبی کتابیں
سوانح عمری ۔ سفرنامے ۔ وغیرہ

بہترین کیمرے ۔ فل سائز ڈالمیٹر لنس معہ ۲ ڈارک سلائڈ ۔ پوسٹ کارڈ سائز کمرہ ۔ ویسٹ پاکٹ کمرہ
متحرک تصاویر لینے کا کیمرہ ۔ پاتھی کمپنی کا جس سے تصویریں لی جاسکتی ہے اور پردہ پر دکھلا بھی سکتے ہیں ۔
وائڈ انگل لنس ۔ ٹیلی فوٹو گرافی لنس ۔ ۱۰ × ۱۲ فل سائز کمیبٹ سائز ۔ کارڈ سائز
پر نٹنگ فریم ۔ انلدر جبر ۔ ڈولپ لیمپ ۔ وغیرہ ۔

"دفتر شہاب" متصل الاوہ بی بی بیرون بیرپورہ حیدرآباد دکن سے
تصفیہ کیا جائے ۔۔

خوش باش دمے

جناب مرزا شکور بیگ صاحب

کس لئے آئے یاں نہیں معلوم
جائینگے ہم کہاں نہیں معلوم

سر چھپائیں کہاں نہیں معلوم
آشیاں وا آشیاں نہیں معلوم

ہر پرائی زباں کے ماہر ہیں
فقط اپنی زبان نہیں معلوم

پاس کرنا نہ تھا اگر منظور
کیوں لیا امتحاں نہیں معلوم

قیس مجنوں تھا ایک تھی لیلےٰ
مابقی داستاں نہیں معلوم

ہر طرف بیوی آرہی ہیں نظر
اور کہاں ہیں میاں نہیں معلوم

ان کے دل میں نہیں جب ہوتی ہے
کیوں وہ کہتے ہیں ہاں نہیں معلوم

کس لئے تھے خفا خدا جانے
کیوں بنے مہرباں نہیں معلوم

مر گئے انتظار میں عشاق
چل دئے وہ کہاں نہیں معلوم

ڈھونڈنے نکلے ہیں انہیں مرزا
جنکا نام و نشاں نہیں معلوم

غزل

جناب مسلم

بہار رایت خوبی گل بلند افراشت
خزاں نحوست خود را ہم از میاں برداشت

بجائے بادہ ترش ارزانی چو آب باید ریخت
بصحن باغ دگر فصل عیش باید کاشت

کنارِ جوئے رواں سبزہ و گل خودرو
مرقع است کہ نقاش دہر خوب نگاشت

بیاد ساقی مہ پارہ ہست نوشانوش
چو خوانِ نعما نخواہیم بر دو سفرۂ چاشت

من از زمانہ گرفتم ہمیں سبق مسلم
ز دہر چشم وفا ہیچ گہ نباید داشت

فراقؔ گورکھپوری

جناب میر احمد علی صاحب نقابؔ (حیدرآبادی)

ادب، بالخصوص شاعری کا تنقیدی مطالعہ ہمیشہ سے میرا محبوب مشغلہ رہا ہے — دوران مطالعہ میں اکثر اپنے ارتسامات حاشیہ کتاب پر لکھا چلا جاتا ہوں — گزشتہ ماہ حضرت فراقؔ گورکھپوری کے دو مجموعے "شعلۂ ساز" اور "رمز و کنایات" میرے زیر مطالعہ تھے، مطالعہ کی محویت میں میں نہ جانے کیا کیا لکھتا چلا گیا جب کتاب ختم کرنے کے بعد اتفاقاً میں نے بطور "باز خوانی" کتاب کی ورق گردانی کی تو پتہ چلا کہ کتاب کے حاشیہ پر اچھا خاصہ ایک تنقیدی مضمون قلمبند ہو گیا ہے — یہ ہے شان نزول اس مضمون کی۔

فراقؔ بقول خود عصر حاضر کے مجدد شاعر ہیں، اور بقول نیاز فتح پوریؔ ان کے کلام میں "آفاقیت" ہے اگر ان معنوں میں کہ فراقؔ لفظ آفاق کو بہت استعمال کرتے ہیں۔ "آفاقیت" ہے تو ہم اس کے قائل ہیں کہ آپ کی تقریباً ہر غزل میں لفظ "آفاق" موجود ہے۔ ورنہ آفاقیت یا "فاقیت" ہمکو کہیں نظر نہیں آتی — پھر فراقؔ کی شاعری میں کیا ہے؟ سنیئے ؎

تو خار کے انبار تو اک پھولوں کی ڈالی — کچھ کرٹی ہے کچھ گھانس ہے اور کچھ ہے جنگالی

"شعلۂ ساز" کے دیباچہ میں یوسف ظفر صاحب فرماتے ہیں:—

"ان کی (فراقؔ کی) شاعری ایک انقلاب ہے — قدیم روایات کے خلاف اور یہ انقلاب ایک ایسے مستقبل کی اساس ہے جو فراقؔ کا نام غالبؔ سے پہلے نہیں تو اس کے ساتھ ضرور لے گا"۔ افسوس کہ قدیم روایات کے خلاف انقلاب کی ایک آدھ مثال بھی ہمیں "شعلۂ ساز" میں نہیں ملتی وہی قدح و صحرا، قطرہ و دریا، ہجر و وصال تیغ و خنجر ذبح اور مقتل کے ہزار بار کے دہرائے ہوئے پامال و فرسودہ مضامین کا انبار لگا ہوا ہے۔

اب رہا غالبؔ سے پہلے اس کے بعد نام لینے کی بات — غالبؔ کے ساتھ نام لینا ان معنوں میں کہ فراقؔ کے پاس غالبؔ کے چاپے چربے اور بھونڈی نقلیں ہے تو ہم بھی ہزار بار اس کے قائل ہیں — ورنہ یوسف ظفر صاحب کا دعویٰ محض ادعا جس کی کوئی دلیل فراقؔ کے کلام میں موجود نہیں ہے چند چربے ملاحظہ ہوں۔

فراق گورکھپوری

نہ وحشت تو یہی تھی مجھے زنداں نہ ہوا — باغ میں یاد صبا بھیجنے والے ہر صبح

کوئی وعدہ نہ کوئی یقین نہ کوئی امید — مگر ہمیں تو ترا انتظار کرنا تھا

دھر ہے مقتل بنیاد ادھر ہے مقتل عشق — جو بیچ رہے تو یہاں کام آ جاتے ہیں

وہ یاد تجھ میں ہیں اک عشق زمانے بھر کا — جس کے گزرے سے دل چاک ہوا جاتا ہے

ہے محو نالۂ جرس کارواں کبھی — بڑھ گئی ہے حسرت پس ماندگاں کبھی

برہم بساط خلوت دل کر گیا کبھی — چھیڑی ہے تنگ انجمن ہی تنہائیاں کبھی

آنکھیں ترے کسی سے کیا کیا شکایتیں تھیں — منہ دیکھ کر کسی کا اللہ رہ گیا ہوں

—

ابھی تو قلب و جگر کی خبر کسی کو نہیں — ابھی تو لوگ کسی کی نظر کو دیکھتے ہیں

(اب تک آپ غالب کے جا بجا پھر لے اور ......

وہ کوئی یار کا بھی غم ایسوں کو ملنے کا بھی غم — جنکو قریب پا کے جی اور اداس ہو گیا

بے خودی سی بے خودی اے عشق — مجھ کو اپنا بھی انتظار نہیں

ہجر کا رونا، وصل کا رونا — یوں بھی مصیبت یوں بھی مصیبت

گھوں دیکھے جس دم بال الجھن علو راز ہوئی یہ شل فضا میں تم تنہا وہ گیسو تا کمر آئے

مرزا اسد اللہ خاں غالب

علاج وحشت تو دو ہی کوئی تدبیر نہیں — اک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

ہیچ آپ کی ہے وعدۂ دیدار کی ہمیں — سو وہ آئے یا نہ آئے پہ یاں انتظار ہے

غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے — غم عشق گر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

کم نہیں نازش ہمنامی چشم خوباں — ترا بیمار برا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا

یاران تیز گام نے منزل کو جا لیا — ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم گلہ — کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

نظر لگے نہ کہیں انکے دست و بازو کو — یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

نقالی دیکھ چکے چربہ اور نقالی بھی ملاحظہ فرمائیے)

قرار چھوٹ گئے تم سے نہ چین ہے کل — خدا کسی کو نہ ڈالے غضب میں دل (امیر)

بے خودی لے گئی کہاں مجھکو — دیر سے انتظار ہے اپنا (میر)

قرار چھوٹ گئے تم سے نہ چین ہے کل — خدا کسی کو نہ ڈالے غضب میں دل کے (امیر)

از شب چہ قدر رسیدہ باشد — زلفش بہ کمر رسیدہ باشد (نامعلوم)

بیٹھے بٹھائے چپ نہیں لگ گئی تھی ترا — کیوں کیا فراق کیا تیری حالت ہے اے دنوں کیوں چپ سی لگ گئی ہے قلق کچھ بتا دو جی کیا ہر خدا نخواستہ بیمار ہو گیا (قلق) —

میں نے جو کبھی پی تھی مست و افسوں گر کہاں — ساقیا چھوڑ تا ہے میرا نشہ سا فر کہاں کیفیت چشم اسکی مجھے یاد ہے سودا — ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں (سودا)

ہی اک رات پچھلا پہر تھا طلوع صبح محشر ہیں — دل گیا گئی زندگی اور دنیا عمر رفتہ کو

غزل سے چھیڑ کی مجھے ساز دینا — ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا (صفی)

سیکھا ہم اہل زمیں کا بتائیں گے تقدیر — کہو نجوم فلک قسمت منکشف ہیں

ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا — وہ خود فراخی افلاک میں ہے خوار و زبوں (اقبال)

اصلاح دوستاں بیگانہ سے تو کیا کریں — یا لیلیٰ نوشتہ تقدیر دیکھ کر

اصلاح کی مجال نہیں ہے تو کیا غرور — یہ لیلیٰ نوشتہ تقدیر کس دیگانہ چنگیزی)

[illegible]

[illegible]

ایک [illegible] صاحب فرماتے ہیں [illegible]

ہیں حسن و عشق ان کے خاص موضوع ہیں۔ اس سلسلے میں جو کچھ ان کے قلم سے نکلا ہے وہ یقیناً اردو غزل کے باب میں ایک نیا اضافہ ہے ایک شعر سنئے اور سر دھنیئے"

شب وصال کے بعد آئینہ دیکھا ... ترے جمال کی معصومیاں نکھر آئیں۔

یہ وہی شعر ہے جس پر یوسف ظفر صاحب سر دھننے کی فرمائش کر رہے ہیں۔ یہ شعر معنی و مفہوم کے اعتبار سے حسب ذیل "یکم عریاں" سوقیانہ اشعار کے قبیل سے ہے سے اور جو ... نے آ کے دیکھ لیا" داغ

اک اور بھی ... ترے قربان گئی میں" لیقیر اکبر آبادی وغیرہ۔

فنی اعتبار سے بھی یہ شعر ناقص ہے پہلے مصرعہ میں "شب" محض زاید ہے "وصل کے بعد آئینہ تو دیکھ" کہنا کافی ہے۔ شاعر کا مفہوم بغیر کسی کمی کے پورا ہو جاتا ہے۔ شب کا اضافہ محض وزن پورا کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ ورنہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دوسرے شعر میں لفظ کی ایک باریک غلطی ہے جہاں تک عوام کی نظر نہیں پہنچ سکتی؟ معصومی کو بھولے پن یا سادگی یا بے گناہی کے معنوں میں استعمال کرنا فاش غلطی ہے۔ معصوم کے معنے حقیقت میں بے گناہ کے نہیں بلکہ (وہ جس کو گناہ پر قدرت تو ہو لیکن گناہ نہ کرے) ایک مفلس شخص اگر شراب نہ پیئے بدکاری نہ کرے تو اس کو معصوم نہیں کہا جا سکتا کیونکہ بغیر زر وہ نہ تو شراب نوشی کر سکتا ہے اور نہ بدکاری ۔ ہاں اگر ان کی گرہ میں روپیہ بھی ہو اور وہ پھر شراب پیئے بغیر اس سے لب خشک نکل آئے تو وہ معصوم ہے۔

صفحہ (۳۰۹) پر: بس اک تیرے بیت نظر معلقاتی گئیں رہنے ... وہ صبح بھی تو نہیں اب وہ شام بھی تو نہیں

اس کے قطع نظر کہ یہ شعر رعایت لفظی اور ضلع جگت کا گورکھ دھندا ہے۔ یہ شعر "غیر مرتب" ہے دوسرے مصرعہ میں لفظ "صبح" پہلے اور "شام" بعد واقع ہوا ہے۔ اس لحاظ سے پہلے مصرعہ میں "رخ" پہلے اور "گیسو" بعد آنا چاہیئے تھا۔

بتا سکیں گے یہ کیا ترے قید ہو آزادی ... کہ تیرے صید بلا زیر دام بھی تو نہیں

لفظ "بلا" تخیل کا سارا گھروندا ڈھا گیا تیر دام تو نہیں درست مگر یہ "صید بلا" کیا ہوا اچھی ہے یہ بلا بھی تو خوب ایک ... ہے مادی نہ سہی محسوساتی ہے پیچ ہے لفظ کا سوچے سمجھے استعمال خطرناک ہوتا ہے۔

صفحہ (۳۰۳) پر: جیسے آزادی بھی آبادی بھی بربادی بھی ... کیا بتائیں کیا، ہزار کچھ دل ... یاد تھا

"قید" صفت نہیں "قیدی" ہونا چاہیئے۔ "قید" کو "صید" کے قیاس پر صفت سمجھا ہوگا ہو سکتا ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہو مگر آثار کہہ رہے ہیں کہ فراق نے یہاں قیدی باندھا ہے۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ "دو" کے بعد ردیف تھا مطلوب "یاد ہے" ہونا چاہیئے فراق اہل زبان ہیں ان کی یہ غلطی ناقابل عفو ہے۔

صفحہ (۳۰۴) پر: دوش پر ڈالے ہوئے چاک گریباں محمد ... چلتے پھرتے ساکن گور غریباں دیکھئے

یا اللہ "چاک گریباں مچا" فرنگ گریباں کا چاک "رگ گل" سے بلبل کے پیر باندھتے ہیں" فراق صاحب کو ہی کمال حاصل ہے

صفحہ (۴۷) گو عشق کو ملا نہ کوئی ہم زباں کبھی — ہوتی تھی اور ختم ہوئی داستاں کبھی

"تیہ گو" کا محل نہیں ۔ "گو" کے بعد "لیکن" "پھر بھی" "تاہم" وغیرہ حرف شرط آنا ضروری ہے ورنہ تنہا لفظ "گو" معنے نہیں دیتا جیسے غالب ؎

گو میں رہا رہین ستم ہائے روزگار — لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

بجائے "گو" کے یہ "ہاں" کا محل نہیں ہے۔

صفحہ (۴۹) اٹھ رہی ہے نگہ محرم بیگانہ نما — جس قدر اب تجھے منظور ہو پنہاں ہو لے

الفاظ میں اضداد کا اجتماع بڑے سلیقہ اور بڑے وجدان کا کام ہے۔ جوش ملیح آبادی سے بہتر اضداد کے اجتماع کا کسی کو سلیقہ نہیں ہے۔ "محرم بیگانہ" اس ترکیب میں ایک نقطہ کا نقص واقع ہوا ہے۔ یہ ترکیب بعینہٖ ایسی ہے جیسے کوئی ایک پنجرے میں باز اور کبوتر کو بند کر دے۔ یہاں لفظ "بیگانہ" "محرم" کا خون پی رہا ہے۔ جب محرم ہوگا تو بیگانہ نہ ہوگا اور جب بیگانہ ہوگا تو محرم نہ ہوگا۔

صفحہ (۵۱) گلزار محبت کی ایک بوئے پریشاں ہوں — وہ عقدہ ہستی ہوں جو کھل نہ سکا اب تک

"گل محبت کی بو" ایک تک ہے مگر "گلزار محبت کی بو" ایسا ہی ہے جیسے عطر دان کی بو ——!!

صفحہ (۵۲) میکدے میں آج اک دنیا کو اذن عام تھا — دور جام بے خودی بیگانہ ایام تھا

زمانہ کا تعین یعنے "آج" کی تخصیص کر کے پھر ایک ہی سانس میں "بیگانہ ایام" کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شراب میں سرکہ ملا دے کہ وہ شراب ہی باقی رہے اور نہ سرکہ ایک ایسا "مرکب مجہول" ہو جائے جسکو کوئی نام نہ دے سکیں

صفحہ (۶۲) قسم ہے بادہ کش چشم مست ساقی کی — بتاؤ ہاتھ سے کیا جام مئے سنبھلتا تھا

سودا کے اس شعر کے ہوتے ہوئے ؎

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا — ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

پھر فراق صاحب کو منہ چڑانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور اس کاوش بے جا کے بعد بھی فراق نے کون بڑا تیر مارا؟ نہ سودا کے مضمون میں کوئی اضافہ کر سکے نہ ترمیم۔ نہ پیرایہ بیان میں کوئی خوبی پیدا ہو سکی۔

تم مخاطب ہو سامنے بھی ہو — تم کو دیکھوں کہ تم سے بات کروں

جب مخاطب ہیں تو سامنے ہونا ایک اور ایک دو کی طرح یقینی ہے یہ کوئی نئی بات نہیں اب دوسرا "تحیر و تقابل" کا مسئلہ ہے کہ "تم کو دیکھوں کہ تم سے بات کروں"؟ تو فراق صاحب یہ سوال زیادہ

مشکل نہیں نہایت آسان ہے۔ آپ بغیر کسی مشکل کے بیک وقت دیکھ بھی سکتے ہیں اور بات بھی کر سکتے ہیں سہل ممتنع کے شوق میں فراق نے اس شعر کو مضحکہ خیز بنا دیا ہے

صفحہ (۹۵) آج افسردہ فضا بوے کفن دیتی ہے — منہ دھواں ہے مری شام شب تنہائی کا

شام شب تنہائی یعنی جدائی کی رات کی شام یعنی ؟ ؟ ؟ پہلے تو روغن گل بھینس کے انڈے سے نکالا "شام" متعلقہ وحشت کا پہلو ہے۔ مگر صبح گلستاں میں وحشت کا پہلو کہاں یہ غلط حکت ہے جس نے شعر کو مکھو وند بنا دیا۔

یہ بیداری یہ تابانی یہ گردش یہ نمو کیا ہے — ستاروں میں، نگوں میں، آسمانوں میں، زمینوں میں

پورا شعر سوال ہی سوال ہے غزل کے ہر شعر کو جامع ہونا چاہیئے۔ اس شعر کو پڑھ کر قاری تشنہ رہ جاتا ہے

اترا ہوا خمار ہے کے انتظار کا — راز آشناؤں میں کسی غفلت شعار کا

یہاں "خمار" بہ معنی نشہ استعمال ہوا ہے جو قطعاً غلط ہے۔ خمار نشہ کا ردعمل ہے جو نشہ سے قطعاً برعکس کیفیت ہے جیسے ؎

خمار بادہ ہستی اتر گیا ان کا — پیا ہے جام فنا در سر گیاں ان کا (برق موسوی)

نشۂ عشق میں خمار نہیں — میں بھی کوئی ادا ہوا کیا تیری (فراق)

صفحہ (۱۰۳) بہت کچھ ہیں ابھی اے مہربانا جیب محبت میں — یہ مانا رنگ رخ ہوش و حواس و جبر آئل ہیں

یہاں جیب بہ معنی پاکٹ استعمال ہوا — جو ناشی غلطی ہے۔ جیب بہ معنی گریبان درست ہے جیسے

چاک مت کر جیب بے ایام گل
کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہیئے (غالب)

مسٹر ڈسرائیلی۔ جو خطاب پاکر بعد میں لارڈ بیکنسفیلڈ سے مشہور ہوئے اور انگلستان میں ایک زبردست مدبر خیال کئے جاتے تھے۔ جب انہوں نے پارلیمنٹ میں پہلی تقریر کی تو اس قدر بھدی تقریر کی کہ سامعین ہنستے تھے لیکن تقریر ختم کر کے انہوں نے کہا کہ میں نے بہت سے کام شروع کئے اور آخر کار ان میں کامیاب ہوا اگرچہ اب میں اپنی تقریر ناکامی کے ساتھ ختم کرتا ہوں لیکن ایک زمانہ آنیوالا ہے کہ تم میری تقریر شوق سے سنو گے اور میری تعریفیں کرو گے۔ مسٹر ڈسرائیلی نے یہ بات محنت سے حاصل کی اور لوگوں سے اپنی ثابت قدمی کے ذریعہ بار ہا اپنی تعریف کرائی۔

سوشلزم اور اسلام

جناب سید یوسف حسین صاحب

گذشتہ چند سالوں میں حالات نے بڑی سرعت کے ساتھ پلٹا کھایا سیل حوادث نے دنیا میں سینکڑوں انقلابات لائے مگران سب میں سوشلزم یا مزدور اور سرمایہ دار کے تعلق کے مسئلہ کا حل ہی ایک ایسا زبردست انقلاب ہے جس نے نظام کائنات میں ایک ہلچل مچا دی۔ سوشلزم کے بیج کو اگنے کے لئے مناسب حالات روس میں ملے۔ جب یہ پودا ایک تناور درخت ہو گیا تو اس نے زاران روس کے تخت و تاج کو لینن کی ٹھوکروں سے پامال کرا دیا۔ اٹلی میں اس مسئلہ نے نظام فسطائیت کی شکل اختیار کی اور یہی وہ طوفان عظیم تھا جس کی خونی لہروں نے ہسپانیہ کے بادشاہ شاہ انفاسو جیسے ماہر اقتصادیات کے بادشاہ کو ایک پناہ گزین کی حیثیت سے ملک بدر ہونے پر مجبور کیا۔ ہندوستان ہی کو لیجئے یہ اسی سوشلزم کی وجہ سے میدان کارزار بنا ہوا ہے۔ بہر حال سوشلزم کو کچھ ایسے دل آویز انداز میں پیش کیا گیا کہ بہت سے ناسمجھ نوجوان اس سراب پر مبہوت ہو گئے ہندوستان میں اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ یہ اس کی آئینی ترقیوں کی راہ میں روکاوٹ بن گیا ہے سوشلزم کے اہم اصول مساوات (Equality) آزادی Fraternity اور برادرانہ اخوت (Brotherhood) ہیں سوشلزم کے علم بردار مساوات آزادی اور اخوت کے غلط جذبہ کے ماتحت دوسروں کی غلط یا صحیح طریقہ پر کمائی ہوئی دولت کو لوٹنے کی فکر میں ہیں جہاں تک ملک میں مزدوروں کی قیادت کا تعلق ہے یقیناً سوشلزم ایسا کرنے سے یکسر مجبور رہا۔ اس کو امن و آشتی سے قائم رکھنے کے لئے "فولادی نظام" تخلیق کرنا پڑا تو دلبیس اپنی تصنیف Right Communism میں لکھتا ہے "جو شخص کسان یا مزدور پارٹی کے فولادی نظام کو کمزور کرتا ہے وہ دراصل مزدوروں اور کسانوں کے مقابلہ میں سرمایہ داروں اور زمینداروں کی حمایت کرتا ہے" اس مفروضہ حمایت کے خود ساختہ الزام کی سزا کے نتیجہ کے طور پر تاشقند کی تین سو مساجد ویران ہوئیں۔ مسلمان اور عیسائی زمینداروں کو ان کے سرمایہ اور ذخائر پر ناجائز طور پر قبضہ کر کے انھیں تہ تیغ کر دیا گیا محض اس شبہ پر کہ وہ روسی "کمیونزم" کے خلاف ہیں۔

الغرض موجودہ سوشلزم کی بنیاد جن غلط اصولوں پر رکھی گئی ہے اس کا خمیازہ کل دنیا بھگت رہی ہے

اگر سوشلزم ان صحیح اصولوں کو لیکر چلتا جو آج سے تقریباً ۱۴ سو برس پہلے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی تو موجودہ سوشلزم، انارکزم اور بالشویزم کی ہولناک شکل اختیار نہیں کرتا جس سے انسان جنگلی درندے بن رہے ہیں اس امر کا ثبوت کہ اسلام نے سب سے مساوات' اخوت برادری یا بالفاظ دیگر سوشلزم کی صحیح تعلیم دی پروفیسر لیک سکی کے ان الفاظ سے ملتا ہے "آج سے ۱۴ سو برس پہلے جبکہ دنیا غلامی کی لعنت میں گرفتار تھی اسلام آزادی مساوات اور اخوت کا ڈنکا بجا رہا تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بانی اسلام نے یہی مساوات برادرانہ اخوت اور آزادی ضمیر رواداری کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ان کے اصحاب نے اس پر عمل کیا اور دنیا کے تاجدار بن گئے" اسلام کا سوشلزم کیا تھا؟ (۱) اسلام نے انسان کی انسانیت کو تسلیم کیا (۲) غلاموں کو آزادی دلائی اور آقاؤں کا ہمرتبہ کیا حکم دیا کہ آقا جو خود کھائے وہ غلام کو کھلائے جو اپنے لئے پسند کریں وہ غلام کے لئے پسند کرے (۳) اس نے انسداد گداگری اور تیموں کی سرپرستی کے لئے سرمایہ داروں پر ٹیکس لگایا جسکو مذہبی اصلاح میں زکوٰۃ کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کمیونزم کی بنیاد رکھی وہ کارل مارکس کے سوشلزم کے طرح لینن اور ٹرانسکی کا کمیونزم نہ تھا بلکہ اس سے بالکل جدا نہایت اعلیٰ خیالات و مقاصد کا حامل تھا۔ اس کمیونزم کا صحیح نقشہ پروفیسر تولڈیکی کے ان الفاظ میں ملتا ہے۔

مسلمانوں کا پیغمبر اور اس کے خلفاء سادہ زندگی بسر کرتے تھے حتیٰ کے حاکم و محکوم میں کوئی امتیاز نظر نہ آتا تھا ٹیکس یا مال غنیمت کے ذریعہ جو رقوم حاصل ہوتی تھیں وہ بیت المال میں داخل کی جاتی تھیں جہاں سے ہر مرد اور عورت کو وظیفہ دیا جاتا تھا محاصل اور آمدنی میں حسب حیثیت سے اضافہ ہوتا اسی نسبت سے وظائف میں بھی اضافہ کیا جاتا تھا مال غنیمت کے متعلق یہ اصول تھا کہ اس میں ہر فرد مملکت کا یکساں حق مخصوص کیا گیا تھا چنانچہ ضروریات ملکی پر خرچ کرنے کے بعد جو رقم پس انداز ہوتی تھیں وہ مساوی طور پر تقسیم کی جاتی تھیں۔ موجودہ سوشلزم جو درحقیقت اسلامی سوشلزم کا خوشہ چین ہے ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ اس نے مساوات' اخوت اور آزادی کے اصولوں ہی کو لیکر آگے بڑھا ہے اس نے اسلامی سوشلزم کے بنیادی اور زریں اصول کو کام میں نہیں لایا جس رسول عربی نے افراد کے کریکٹر کو بلند کرنے کی کوشش کی تھی اور اس کوشش میں وہ صد فیصد کامیاب رہے۔ اگر افراد کے کریکٹر بلند ہوں تو ان میں جمہوریت کی صحیح اسپرٹ پیدا ہو سکتی ہے۔ اسی لئے ہی کو پیچھے ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ سوشلزم کے اس زبردست حامی کا کریکٹر اتنا نہیں ہے کہ لوگ اس پر عمل پیرا ہو کر اپنا کردار اچھا بنا سکیں۔ برخلاف اس کے شمع ہدایت قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ صحابہ کبار کے خصائل ازواج مطہرات کے نمونہ زندگی۔ اہل بیت کا ایثار ہمارے لئے ایک نسخہ کیمیا اور مشعل ہدایت ہے آج سے ۱۴ سو برس قبل قائم کئے ہوئے سوشلزم کی ٹکر موجودہ سوشلزم ہرگز نہیں لے سکتا جس کا خمیر خونی انقلاب سے تیار کیا گیا ہو۔

حالی بہ حیثیت مصنف

ہنیزہ بانو کاؤس - جی - ایم - اے

ہندوستان میں اردو نثر کا آغاز تقریباً ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ سے ہوا۔ اسکے بعد لکھنؤ اس کا مرکز قرار دیا گیا اور ساتھ ہی اردو میں مسجع اور مقفیٰ عبارت کی داغ بیل پڑ گئی جس کے موجد رجب علی سرور ہیں اور فسانۂ عجائب اس طرز کی پہلی کتاب ہے لیکن ادب و انشاء کے اس جدید طرز کو مقبولیت عام حاصل نہیں ہوئی اور معدودے چند ہی اسکے مداح تھے، اس کے بعد ایک دور ایسا آیا کہ اس طرز میں ایک زبردست انقلاب رونما ہو گیا یہ انیسویں صدی کا نہایت درخشاں دور ہے جس میں ایک کم مایہ زبان جو بے راہ روی کا شکار ہو رہی تھی منازل ارتقائی طے کرتی ہوئی ایک ممتاز مقام پر پہنچ گئی اور اقلیم سخن کی اعلےٰ ترین ہستیاں منظر عام پر آ گئیں جن کے علمی کارناموں سے اردو ادب فلسفہ سے دو چار ہو گیا اور اسکی تشنگی دور ہو گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نثر کے میدان میں مختلف النوع خیالات اور طرز پر طبع آزمائی ہونے لگی۔ اس درخشاں دور کے پانچ مشہور و معروف نثر نگار - آزاد، نذیر احمد، سرسید شبلی اور حالی ہیں جو اردو ادب کے عناصر خمسہ کہلاتے ہیں اور جن کے سایۂ عاطفیت میں اردو نثر پروان چڑھی اور السنہ یورپ سے بے تکلف چالنج پر اتر آئی نثر نگاری میں صاحبین موصوف مختص النوع ادبی خصوصیات کے ساتھ اپنی اپنی طرز کے موجد ہیں اور اردو ادب کا علمی ذخیرہ انہیں مصنفین کی کوشش و کاوش اور جدت طرازی کا نتیجہ فکر ہے ان تمام سرپرستان اردو نے اپنے بے بہا علمی کارناموں سے سرمایہ اردو کا دامن مالا مال کر دیا لیکن جو جدت مولانا حالی نے متانت اور لطافت کا پہلو اختیار کر کے پیدا کی اسکی وجہ سے وہ ان تمام نثر نگاروں کی شاہراہ سے ممتاز اور اور بلند نظر آتے ہیں۔ مولانا حالی خالص ادب کی نثر کے موجد ہیں، ان کی زبان تشبیہ و استعارہ و دیگر لوازمات کا سہارا نہیں لیتی بلکہ سادگی اور حقائق نگاری ہی ان کی زبان کو ایک بلند درجہ عطا کرتی ہے اسکی بین دلیل ہیں انکی شہرہ آفاق تصانیف حیات سعدی "یادگار غالب" اور "حیات جاوید" میں ملتی ہے جو سیرت نگاری کے بہترین نمونے تصور کیے جاتے ہیں۔ اردو ادب میں مولانا حالی بہ حیثیت مصنف ایک خاص شخصیت کے مالک ہیں ان کی زبان خالص ادب اور انشاء پردازی کا لاجواب نمونہ ہے عام فہم طرز تحریر کو

علمی تصانیف میں رواج دینے کا فخر سرسید کو حاصل ہے، فنی تنقید کا سہرا آزاد کے سر ہے، دقیق علمی مباحث
اور تاریخی واقعات میں فلسفیانہ بیان پیدا کرنا شبلی کا کارنامہ ہے، اردو ادب میں اعلیٰ درجہ کی عربیت کا استعمال
نذیر احمد کا حصہ ہے۔ اسی طرح نثر نگاری میں دلکش سادگی، اور سلاست کو نبھاتے ہوئے خالص ادبی زبان
لکھنا مولانا حالی ہی کا رنگ ہے جس کے وہ موجد اور خلاق ہیں مولانا کی نثر سادہ سلیس اور عام فہم ہونے کے
علاوہ نہایت موثر، دلکش اور دلنشیں بھی ہے وہ جس مضمون کو ادا کرتے ہیں اس میں سلاست اور سادگی کو
ملحوظ رکھتے ہیں اور خیالات کا تسلسل اور پختگی زبان انکے سادہ طرز تحریر میں فصاحت و بلاغت پیدا کر دیتی ہے
تصنع اور رنگینی زبان کو ان کے طرز سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، وہ بوقت تحریر دقیق اور عمدہ الفاظ کی تلاش میں
نہیں رہتے بلکہ بے تکلف اور ہر قید و بند سے آزاد ہو کر جو الفاظ دل کی ترجمانی کرتے ہیں قلمبند کر دیتے ہیں،
اس لئے انکے طرز میں لوچ اور حسن ہے اور الفاظ میں تناسب اور موزونیت پائی جاتی ہے۔ مولانا حالی کو مرزا
غالب اور شیفتہ جیسے اعلیٰ سخن شناس اور سخن پرور اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل تھا، اس لئے انکی زبان
خاص دلی کی ٹکسالی زبان ہے جس کی وجہ سے انکی نثر اردو ادب میں ایک بلند مرتبہ کی حامل ہے۔ انکے نثری
کارناموں میں انکی سیرت نگاری اور تنقید نگاری ایک ممتاز درجہ رکھتی ہے، سیرت نگاری کے وہ موجد ہیں اور تنقید نگاری انکی
اولیات میں سے ہے۔ بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ نثر نگاری میں حالی کا درجہ غالب اور سرسید کے مماثل ہے
اور ان کا سادہ طرز انشا آزاد اور نذیر احمد کے رنگین طرز سے بالاتر و برتر و دلپسند ہے، مولانا کی طبیعت کو سادگی
اور سنجیدگی سے گہرا تعلق تھا یہی جھلک انکے طرز میں بھی موجود ہے مولانا کی ہر تصنیف مفید ذخیرہ سے لبریز ہے
اور یہی انکی علمی زندگی کا نصب العین ہے مولانا ہندی زبان سے بھی واقفیت رکھتے ہیں اور اپنی تحریر میں ہندی
بلکہ سنسکرت الفاظ کا بھی استعمال اس خوش اسلوبی سے کرتے ہیں اور اردو طرز میں انہیں اسطرح ڈھال لیتے ہیں
کہ زبان کی اجنبیت کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ مولانا نے اردو ادب میں ایسے متعدد ہندی الفاظ داخل کر دیئے ہیں جو عام
نظروں سے اوجھل تھے اس کا ثبوت انکی شہرہ آفاق نظم مناجات "بیوہ" میں ملتا ہے۔ اسی طرح مولانا انگریزی کے
متعدد الفاظ اپنی تحریر میں استعمال کرتے ہیں، اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک مدت تک پنجاب گورنمنٹ
بک ڈپو میں ملازم رہے جہاں انگریزی کتابوں کا ترجمہ اردو میں ہوتا تھا اور مولانا کو اردو عبارت درست
کرنے کا کام دے دیا گیا تھا۔ یہ کام وہ بڑی دلچسپی اور انہماک کے ساتھ کرتے تھے اور اسی دوران میں وہ
انگریزی خیالات سے نہایت متاثر ہوئے اور انگریزی الفاظ بھی اپنی تحریروں میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔

لیکن اس سے انکی زبان میں کوئی فرق نہ آیا۔ البتہ لوگوں کو یہ امور یعنی ہندی اور انگریزی الفاظ کا استعمال نہایت
ناگوار گزرا اور اعتراضات کی بوچھار شروع ہو گئی لیکن آخر میں یہ طرز اس قدر مقبول ہوگیا کہ اکثر مصنفین نے
انکی تقلید شروع کر دی حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ میں انگریزوں کے قدم ہندوستان میں بہ حیثیت فاتحین جم
چکے تھے اور یہ فطرت کا تقاضہ ہے کہ فاتحین کے ادب اور زبان کا اثر ضرور مفتوحین کے ادب و زبان پر پڑتا ہے
ایسی صورت میں مولانا کا یہ فعل قابل اعتراض نہیں ہو سکتا علاوہ اسکے مولانا کے زمانہ کی اردو میں اس قدر وسعت
نہیں تھی کہ وہ ہر خیال کا اظہار ٹھیٹھ اردو الفاظ کے ذریعہ کر سکتے اور پھر یہ امر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ مولانا
انگریزی داں نہ ہونے کے باوجود انگریزی الفاظ صحیح اور ہر محل و موقع استعمال پر حاوی تھے، ایک شخص کا ایک
زبان نہ جانتے ہوئے اس کے الفاظ و تراکیب سے اس قدر مانوس ہو جانا بھی قابل اعتراض نہیں بلکہ لائق داد ہے
مولانا کی تحریر میں عربی کا اثر بھی پایا جاتا ہے الفاظ، مقولے، آیتیں استعمال کی ہیں لیکن آخر تک سادگی کے جوہر کو
اپنی تحریر میں چھپانے کی کوشش کی ہے طرز تحریر کی انہوں نے اپنی ایک راہ نکالی اور آخر تک اس پر گامزن رہے یہی وہ
وصف ہے جس کی وجہ سے مولانا اپنے ہم عصر مصنفین کی صف سے بلند اور بالا نظر آتے ہیں

مولانا نے جس زمانہ میں نثر و نظم کے میدان میں طبع آزمائی شروع کی تھی اسوقت ان کے پیش نظر خالص ادبی
اردو کے نمونے موجود نہ تھے لیکن تحصیل علم کا شوق انہیں زینہ بہ زینہ منزل منتہا تک پہنچا رہا تھا انکا مطالعہ وسیع سے
وسیع تر ہو گیا تھا وہ اپنے متقدمین کے کلام اور نثر نگاری پر نظر غائر ڈال رہے تھے نتیجہ اس منتہائے شوق کا
یہ برآمد ہوا کہ انہوں نے اپنی ایک راہ نکالی جس نے ان کو ادب کی دنیا میں مقبول و محبوب بنا دیا۔ بہ
حیثیت ایک ادیب اور انشا پرداز، مولانا کا درجہ پہلے ایک مفکر کا ہے اور پھر ایک مصنف کا۔ وہ جو کچھ
لکھتے ہیں وہ ان کے عمیق مطالعہ اور سوچ و فکر کا ثمرہ ہے۔ جب تک کسی مضمون پر وہ اچھی طرح حاوی نہیں
ہو جاتے اپنا قلم نہیں اٹھاتے۔ مولانا کی تمام تر تصانیف انکی بے نفس تحقیقات اور تفتیش کا نتیجہ فکر اور
بے حساب مواد کا ذخیرہ ہے۔ مولانا سوانح نگار بھی ہیں نقاد بھی اور مضمون نگار بھی۔ بہ حیثیت سوانح نگار اردو
ادب میں ان کا درجہ نہایت اعلیٰ و ارفع ہے وہ اس فن کے موجد ہیں، انکی قابل قدر تصانیف "حیات جاوید"
"حیات سعدی" اور "یادگار غالب" اردو ادب کی بہترین اور اعلیٰ ترین سوانح عمریاں تصور کی جاتی ہیں۔ اس
فن میں انہیں خاص شغف ہی نہ تھا بلکہ مہارت بھی حاصل تھی، ان کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات
اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ مولانا نہایت انہماک اور جانفشانی کے ساتھ پہلے مواد پر چھا گئے ہیں۔

اور پھر لکھنا شروع کیا ہے۔ مولانا سوانح نگاری کے تمام گُر اور محاسن سے واقف ہیں وہ اپنے ممدوح کی خوبیاں برآمد کرتے ہیں اور حتی الامکان یہ بات ظاہر کرنے کی سعی و کوشش کرتے کہ ان کا ممدوح ان اوصاف حمیدہ و عادات ستودہ کا حامل ہے جسکی وجہہ سے اسکی زندگی کے حالات منظر عام پر لائیے جا رہے ہیں مولانا کی سوانح نگاری کا ایک اہم جز انکے ہیرو کے متعلق ان کا زور بیان ہے۔ وہ جب اپنے ممدوح کو پیش کرتے ہیں تو گویا اپنی ہستی کو اسکے بیان میں جذب کر دیتے ہیں اور یہہ کیفیت طاری ہو جانے کے بعد جو کچھ انکے قلم سے نکلتا ہے وہ ان کے قلبی واردات کی ترجمانی کرتا ہے اس بیان کی دلیل ہیں انکی تصانیف یادگار غالب اور حیات جاوید میں ملتی ہے۔ یہہ انہیں کی انتھک محنت اور بے لاگ کوششوں کا ثمرہ ہے کہ مرزا غالب اور سر سید جیسی فخر قوم ہستیوں کا نام آج تک اردو ادب میں جاری و ساری ہے۔

مولانا کی تنقید نگاری بھی انکی ادبی زندگی کا ایک درخشاں پہلو ہے۔ مولانا انتہائی نکتہ رس اور دور بین نقاد ہیں وہ تنقید نگاری کے جذبہ صحیح سے واقف ہیں تنقید کا مقصد صداقت کی ترجمانی اور جو چیزیں عوام کی نظروں سے اوجھل ہیں ان کا اظہار ہے اسکے علاوہ ایک حقیقی نقاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ حساس و ذہین ہو "حقائق کے عمق تک اسکی رسائی ہو صاحب نظر ہو" اور پیش نظر حالات کو انکے ذاتی اور اصلی حیثیتوں کی روشنی میں دیکھتا ہو، تعصب کا جذبہ اس میں مطلق نہ ہو اور نکتہ چینی کو اپنا نصب العین نہ بناتا ہو، مولانا کی تنقید نگاری ان تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے بوقت تنقید خلوص بے غرضی اور وسعت خیال انکے پیش نظر ہوتا ہے انکی تنقید کا معیار نہایت اعلےٰ ہے ان کے تنقیدی کارنامے انکی سنجیدگی، وسعت نظری، خوش مذاقی، غیر جانبداری اور دلپذیر طرز بیان کے بے بہا خزانے ہیں ان کا تنقیدی شاہکار "مقدمہ شعرو شاعری" ہے اس کتاب میں مولانا نے نفس شعر و شاعری سے نہایت عالمانہ بحث کی ہے اور شعر کے نہائے مقصود بیان کئے ہیں۔ جہاں اصناف سخن کو محتاج اصلاح پایا ہے نہایت تفصیلی و وضاحت کے ساتھ اسکی کمزوریاں بتائی ہیں اور اعلےٰ ترین خطاہر پیش کر کے دائرۂ غزل کو وسیع بنانے کی کوشش کی ہے یعنی عاشقانہ، فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی مضامین میں نیچرل، قومی اور سیاسی مضامین کا بھی اضافہ کرنیکی تدبیریں بتائی ہیں، اور اور زبان کی سادگی پہ زور دیتے ہوئے اس کو خالص ادبی زبان بنانے کے طریقوں پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اسی سلسلہ میں عبارت کی تعقید اور تکلف پر بھی ضرب کاری لگائی ہے، دنیائے ادب میں مولانا حالی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سیرت و تنقید نگاری میں مغربی اصول فن کو شریک کر دیا۔ اور ادب کے ان دو

اہم اصناف کو ایک اعلیٰ معیار پر پہنچا دیا۔ اس فن میں مولانا کا مقابلہ ڈرائیڈن (DRYDEN) سے کیا جا سکتا ہے جس نے انگریزی تنقید میں روح نو پھونک دی تھی اسی طرح مولانا نے اردو تنقید کو تذکرہ نگاری کے محدود دائرہ سے نکال کر ایک علمی اور تحقیقی فن کی صورت میں پیش کیا۔

اس کے علاوہ مولانا کے مضامین، مقالات اور مکتوبات کے مجموعے بھی ہیں، مضامین، مولانا مختلف رسالوں کے لئے لکھا کرتے تھے، مولانا کے زمانہ میں مضامین کا لکھا جانا رائج نہ تھا غالباً یہ انگریزی لٹریچر کا اثر تھا ان کے مضامین اصلاحی، مذہبی اور قومی ہوتے تھے اور انہیں کے ذریعہ وہ اپنے قومی جذبہ کا اظہار کرتے تھے۔ مولانا کے مقالات مذہب، اخلاق، تعلیم، ادب، فلسفہ اور سیاست پر مشتمل ہیں۔ زبان نہایت سادہ اور دلکش ہے اور مکمل مجموعہ مفید معلومات کا ذخیرہ ہے۔ مولانا کے مکتوبات بھی ادب میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں یہ ان خطوط کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں مولانا نے اپنے عزیز و اقارب دوست واحباب اور بزرگوں کو لکھے۔ مولانا کے خط نویسی کا طرز نہایت دلکش ہوتا ہے، زبان سے سادگی اور بے ریائی ٹپکی پڑتی ہے جو مولانا کی سیرت کے جوہر ہیں۔ مولانا حالی صاحب اسلوب ہونے کی حیثیت سے اردو نثر میں ایک زبردست شخصیت کے مالک ہیں۔ اگر سرسید کے پہلو بہ پہلو مولانا کی نثر وجود میں نہ آتی تو باوجود غالب کی نثر کے اردو نثر مرزا رجب علی بیگ سرور کے دائرہ سے تجاوز نہ کرتی اور اس میں یہ صلاحیت پیدا نہ ہوتی کہ اپنی ادبی حیثیت قائم رکھتے ہوئے بھی کسی سنجیدہ موضوع پر بحث کرے

المختصر مولانا کے ادبی کارنامے ادبیات اردو کے جبرالٹر ہیں۔ اپنے طرز نو سے انہوں نے اردو ادب میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ اپنی غیر معمولی علمیت کے باوجود انہیں ہمیشہ سادہ و سلیس رنگ مرغوب رہا۔ یورپ کے ایک مسلم الثبوت ادیب ملٹن (MILTON) کا قول ہے کہ ایک حقیقی ادیب اور شاعر ان تین محاسن یعنی جوش سادگی اور اصلیت کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یہ تینوں اوصاف مولانا کی ذات میں پائے جاتے ہیں۔ بہ حیثیت مجموعی اگر ان کے علمی کارناموں پر نظر ڈالی جائے تو جوش کی کچھ کمی محسوس ہونے لگتی ہے اصلیت کا یہ حال ہے کہ پڑھتے ہی آنکھوں کے سامنے نقشہ آجاتا ہے اور سادگی کا یہ عالم کہ ہر بات دل میں اترتی چلی جاتی ہے ہر انشا پرداز کی شخصیت اسکی تحریروں میں آئینہ بن کر نظر آتی ہے۔ مولانا کا بھی یہی حال ہے کہ انکی تحریریں انکی غیر معمولی سیرت کی راست ترجمانی کرتی ہیں۔ سنجیدگی متانت اور سادگی تو نمایاں طور پر ہر کارنامہ کی تہ میں کارفرما نظر آتی ہے مولانا اپنے ہم عصر شعراء اور ادیب کی طرز تحریر سے متاثر ہوئے لیکن انہوں نے قابل وقعت تبدیلیاں کرکے اپنے اسلوب بیان کو ایک ایسے نئے راستہ پر لگا دیا جسکی وجہ سے ان کا طرز اردو نثر اور اسکی تو نیت کا ایک بہترین نمونہ بن گیا۔

بہن بھائی

اسماء سراج

یہہ دنیا بھی عجیب ہے اور خدا نے ان کے دلوں میں ہمدردی کا جذبہ بھی تو دیا ہے کیوں نہ دنیا۔ آخر کیوں۔ ! پیدا جو کیا ہے اس نے۔ ! اور یہہ لوگ بھی اپنے آپ پر جبر و صبر کر کے دوسروں کو خوش کرتے ہیں کتنے نیک ہیں یہ لوگ۔ کچھ سمجھ کام نہیں کرتی کہ اسے ہمدردی کہوں یا ایثار۔ یا نہ جانے کیا۔؟ ہاں تو کیا نام ہے اسکا۔؟ جمیلہ۔ آج سنا ہے کہ اس نے ڈاکٹر اجمل کو بھائی بنا لیا ہے اور اب اُسے اپنا بھائی ہی کہتی ہے۔ دیکھو ! یہہ دنیا بھی کیسی ہے نہ جانے کس کس نام سے اسکو یاد کریں۔ کوئی کہتا ہے دنیا ر کیا ہے انکالیف کا ذخیرہ۔ کوئی عیش کا دوسرا نام۔ کوئی کچھ۔ غرض کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ! اجمل کو بھائی بنانے سے جمیلہ کی امی کو کچھ فائدہ تو ہوا۔ کہ انہیں ایک بیٹا مل گیا اور ہاں جمیلہ کو بھی ایک بھائی شاید اجمل کو وہ زمانہ یاد نہ تھا جب کہ وہ پہلی بار جمیلہ سے پبلک باغ میں ملا تھا کس قدر اچھی لڑکی ہے جمیلہ۔ خدا نے اسکو صورت سے ساتھ سیرت بھی اچھی دی ہے۔ ! چند سال قبل ایک پر فضا شام۔ شام سہانی تھی۔ بارش کا مہینہ تھا ہر کیا تھا ہر طرف سبزی ہی سبزی تھی۔ ابھی ابھی بارش تھمی تھی تمام بادل درختوں۔ پھلوں پھولوں کو غسل دے کر تر و تازہ چلے تھے۔ سورج کی ہلکی ہلکی سبزی دھوپ کہ وہ دنیا کو اپنا ہی جیسا بنا لے بہت بھلا منظر پیش کر رہا تھا۔ کا مشہور باغ۔ تمام لوگ خوش خوش تفریحات میں مشغول ہیں۔ ایک طرف تمام بچے گانے۔ کھیلنے میں مشغول ہیں۔ دوسری طرف تمام نوجوان لڑکے لڑکیاں خوش فعلیوں میں مشغول ہیں۔ غرض ہر یہہ کوشش کر رہا ہے کہ آج جس قدر ہو سکے پورا پورا لطف حاصل کرے شاید آج کی سی شام پھر کبھی نہ آئے کیا پتہ۔ ! کون جانے۔ ! کس قدر خوش ہو جاتے ہیں یہہ دنیا والے جب ذرا سی دیر کو خوشی حاصل ہوتی ہے اور پھر ان میں اس قدر گم ہو جاتے ہیں کہ ذرا سی دیر کے لیئے ان کو حاصل ہوتی ہے۔ خیر یہ تو انسان کی عادت ہے کہ وہ ہر ایک خوشی کو دائمی خیال کرنے لگتے ہیں۔

جمیلہ بھی اس ہی باغ میں آئی ہوئی تھی اور اجمل بھی۔ ! جمیلہ کی دوست فرزانہ نے اسکو دھکیل دیا۔ جمیلہ کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی اور اسنے اجمل کا ہاتھ پکڑ کر گرنے سے اپنے آپ کو بچا لیا۔ بہت جلد ہی وہ سنبھل گئی جمیلہ نے

اجمل سے معافی مانگی اپنی اسی حرکت کی۔ ! لیکن اجمل کو تو جیسے انتقام لینا تھا۔ زمانے سے الجھنے کی آرزو جو ٹھہری۔ !
ہاں یہ تو آپ لوگوں کی عادت ہے۔ ناک میں دم کر دیا۔ کرتی ہیں اور پھر بھی معافی مانگ لی جہاں دیکھو موجود۔ یہ بھی
کوئی بات ہے۔" اجمل نے کہا۔ جمیلہ کو غصہ آ گیا نہ جانے کس قسم کا آدمی ہے اور نہیں تو کوئی جگہ ہی نہ چھوڑی کوئی
جگہ بتاتے ہیں۔ آخر کہاں جائیں۔" تو آپ لوگوں کو صرف یہ ہی جگہ رہ گئی ہے۔ نہ جانے کس نے آپ لوگوں کا پردہ اٹھوا
دیا ہے۔ جیسے اجمل کو آج جیسا موقعہ پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ ہمارا پردہ اٹھوا دیا ہے تو آپ لوگ پردہ کر لیجئے نا۔ ! بہت
پسند ہے تو جمیلہ ضبط نہ کر سکی جانے لگی۔ ! اوہ۔ کس قدر فرمابردار ہیں۔ جا رہی ہیں نا پردہ کرنے ٹھیک ہے۔ جا بیٹھے
بیٹھے ہوئے اجمل نے کہا۔ جمیلہ پلیٹ آئی" نہیں جانتے۔ آپ پر کیا بوجھ ہے" سب ہنس دیئے یہ تھا سارا واقعہ
کسی کو اسکی اہمیت کا اندازہ ہی نہیں۔ واقعہ تو ننھا سا تھا لیکن بہت کچھ تبدیلی کرائی اس ننھے سے واقعے نے۔ ! اجمل
جو آج تک عورتوں کا مخالف تھا اب موافق ہو چکا تھا۔ اور جمیلہ بھی موافق ہو چکی تھی۔ ! غیر مستقل پہلوؤں والے
انسان۔ ! دنیا والوں نے دیکھا۔ اس تغیر کو۔ ہنسے۔ خوش ہوئے اور جلنے والے جلے بھی دنیا والوں نے سنا۔ کہ اب
یہ دونوں ایک دوسرے کے ہونے والے ہیں۔ اجمل نے کہنے پر جمیلہ کی امی نے ان کی شادی کی تیاریاں شروع کر دی
ہے لوگوں کو حیرت ہوئی۔ یہ کیا۔ ! شاید انقلاب زمانہ۔ ! لیکن یہ انقلاب زمانہ ہی جو ٹھہرا۔ ! زمانہ میں انقلاب
تو روز آتے ہیں اور ہل چل مچا دیتے ہیں۔ یہ ہی واقعات تمام کائنات کو مٹا کر رکھ دیتے ہیں۔ دنیا والے
کہڑے ہنستے ہیں۔ ایک دن اجمل شام کو کلب سے واپس آیا تو دیکھا میز پر تار رکھا ہے۔ پڑھتے ہی آنکھوں میں
اندھیرا چھا گیا۔ اُسے اطلاع ملی تھی کہ اُسے جلد از جلد فساد خون کے علاج کے لئے بمبئی جانا چاہیئے۔ ایک حاکم کا
حکم جو ٹھہرا۔ اسی اطلاع نے اسکے خیالات میں ہل چل مچا دی۔ امیدوں کا بنا ہوا شاندار محل ایک دم میں مسمار
ہو گیا۔ اس قدر نا پائدار تھا کیوں۔ ؟ امیدوں کا جو تھا۔ ایسے امید۔ نہ جانے کتنوں کی زندگی کا سہارا۔
کتنے نہ جانے امید کے سہارے ہی تڑپ تڑپ کر ختم ہو چکے ہیں۔ شاید اسی کا نام دنیا ہے۔ ! جمیلہ نے بھی اس خبر
کو سنا۔ خاموش رہی۔ پریشان ماں کے سامنے خود پریشان ہونا اسکی پریشانی کو دوگنا کرنا ہے۔ اجمل جانے لگا جمیلہ
اسکو پہنچانے اسٹیشن تک گئی اجمل نے جلد ہی واپسی کا وعدہ کیا۔ اجمل بھی رنجیدہ تھا۔ اسکا دنیا میں کوئی بھی نہ تھا

ماں باپ بچپن میں اسکو دنیا کے تھپیڑے کھانے چھوڑ گئے تھے بڑی بہن نے اسکو اس قابل بنایا کہ وہ کچھ کر سکے مصیبت
آتی ہے تو خوب ہی مٹا کر رکھ دیتی ہے۔ بہن نے تو ساتھ دیا۔ کتنے دن تک۔ چند ہی دن۔ پھر اسکی موت نے اسکو
بہنوئی سے بھی الگ کر دیا۔ کون کسی کا ہوتا ہے۔ جو کوئی اجمل کا ہوتا۔ اجمل کے لئے کون تھا اس دنیا میں

برسوں بعد جمیلہ اسکو ملی اور جمیلہ کی امی کو درحقیقت اپنی ہی ماں سمجھنے لگا تھا۔ اجمل چلا گیا۔ دھیرے دھیرے دونوں
انتظار کرتے کرتے تھک گئیں۔ سنا ہے کہ انتظار کی گھڑیاں کٹھن ہوتی ہیں۔ ان کو تو انتظار تھا لیکن اجمل واپس
نہ آیا۔ جمیلہ کی امی انتظار سے تھک چکی تھی۔ لیکن جمیلہ کو تو انتظار تھا۔ کبھی ختم نہ ہونے والا انتظار۔ انتظار
یوں ہی دو سال گذر گئے۔ جمیلہ کا انتظار ختم نہ ہوا۔ جمیلہ کی امی بیمار تھیں۔ ڈاکٹروں کی رائے ہوئی کہ بمبئی لے
جاؤ۔ آب وہوا تبدیل ہو جائے گی اور علاج بھی معقول ہوگا۔ جمیلہ امی کو بمبئی لے گئی۔ بمبئی گئے ہوئے کئی
ماہ گذر گئے۔ جمیلہ کی آنکھیں کسی کی متلاشی تھیں۔ جمیلہ کی امی کی حالت درست نہیں ہوئی۔ ایک دن جمیلہ اپنی امی
کی دوا لینے ایک پرائیویٹ ہسپتال گئی۔ وہاں کیا دیکھتی ہے اجمل سامنے تھے۔ اسنے آنکھوں پر اعتبار نہ کیا
دیکھا غور سے دیکھا۔ اجمل نے بھی اسکی طرف۔ اور اٹھ کر اندر چلے گئے۔ جمیلہ انتظار کر کے واپس چلی آئی۔ امی
سے کہا۔ وہ کہنے لگیں نہیں وہ تم کو پہچان نہ سکا ہوگا۔ پھر جاؤ اسکو بلاؤ۔ وہ قابل ڈاکٹر ہے شاید میرا علاج
کر سکے۔ انسان کو مرتے دم تک زندگی کی آس قائم رہتی ہے۔

دوسرے دن جمیلہ پھر گئی۔ معلومات حاصل کرنے میں معلوم ہوا کہ اجمل نے شادی کر لی ہے۔ رنج تو
ہوا۔ لیکن پھر یہ خیال ہوا کہ نہ جانے کیوں کرنا پڑی۔ آخر انسان ہی تو ہے اور انسان کی زندگی غلطیوں سے
معمور ہے شاید یہ غلطی ہی ہو۔ یہ سوچ کر اندر گئی اجمل نے دیکھا اور کام میں مشغول ہو گیا۔ بے وفا انسان
جمیلہ باہر آ گئی اور برآمدہ میں بیٹھ گئی باہر کھڑی رہی سامنے سمندر موجزن تھا۔ کئی بچے بڑے آئے ہوئے تھے
جمیلہ ان کو دیکھنے میں اس قدر محو ہو گئی کہ اسکو یاد بھی نہ رہا کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے۔ ابھی وہ اسی طرح
کھڑی تھی کہ اسکو کسی نے پکار۔ وہ چونک پڑی۔ یہ آواز اجمل کی تھی۔ اجمل نے معافی مانگی جمیلہ نے کچھ جواب
نہ دیا کچھ دیر بعد وہ صرف اس قدر کہہ سکی۔ امی بہت بیمار ہیں۔ اور ان کا خیال ہے کہ تم ہی ان کو صحت دے سکتے
ہو۔ اس کا اجمل نے جواب دیا کہ پہلے میرے ایک سوال کا جواب دو کل تم آئی تھیں اور میں کل سے یہی
سوچ رہا ہوں۔ آج میں بھی اس نقطہ پر پہنچ سکا ہوں کہ تم سے اس سوال کا جواب لوں۔ پہلے تو یہ کہو کہ تم مجھ سے
محبت کرتی تھیں نہ اور اب بھی کرتی ہو اور میں بھی" ہاں" جمیلہ کو حیرت تو ہوئی ایسے سوال پر۔ ! کیا محبت کا
انجام صرف شادی ہے؟ کیا ہم ایک بہن بھائی کی طرح محبت نہیں کر سکتے۔ جواب دو" جمیلہ نے سوچا کس قدر بہترین
خیالات ہیں" اجمل بھائی یہ ہو سکتا ہے۔ یہ کہہ کر جمیلہ ہنس پڑی۔ اور اجمل بھی۔ کتنا عمدہ بے لوث رشتہ ہے
بہن بھائی کا۔ بیٹے نے ماں کا علاج کیا۔ جمیلہ اپنی ماں کو سب کچھ سمجھا چکی تھی۔ ماں کی صحت پر بہو بیٹے
کی دعوت ہوئی۔ جمیلہ اپنی بھاوج سے ملنے کے لئے بے قرار تھی۔ جمیلہ نے بھاوج کو دیکھا دوڑ کر لپٹ گئی

یہ تو اسکی بچپن کی سہیلی رقیہ تھی۔ کچھ سال تک دونوں ساتھ رہیں۔ دونوں دوست تھیں حقیقی دوست اور ہم راز بھی۔ زمانہ کی پھیری ہوئی سہیلیاں آج ایک بہن بھائی کے رشتہ سے دوبارہ مل گئیں۔ اجمل خوش تھے کہ ایک بہن ملی اور جمیلہ خوش تھی کہ ایک بھاوج —!!!

لمحہ فکر

۱ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ۔ وفات کے وقت بہت حسرت ظاہر کرنے لگے۔ لوگوں نے کہا اے ابو عبدالرحمن آپ کو کس چیز پر افسوس ہے جواب دیا۔ میں دنیا پر افسوس نہیں کرتا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک وصیت کی تھی فرمایا تھا، تمہارے پاس مسافر کے زاد راہ بھر سامان ہونا چاہیے" میں ڈرتا ہوں ہم نے اس وصیت پر عمل نہیں کیا کیونکہ میرے گرد یہ چیزیں جمع ہیں یہ کہکر گھر کے سامان کی طرف اشارہ کیا جس میں ایک تلوار۔ ایک طشت ایک پیالہ تھا۔

۲ حضرت امام حسن علیہ السلام نے وفات کے وقت بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا شروع کیا آپ کے صاحبزادے نے عرض کیا۔ "آپ بھی دنیا پر افسوس کرتے ہیں؟ فرمایا" فرزند دنیا پر نہیں خود اپنے نفس پر افسوس کرتا ہوں کیونکہ اس جیسی کوئی چیز مجھے کبھی نہیں ملی۔

۳ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ وفات کے وقت رونے لگے سبب پوچھا گیا۔ کہا" اس لیے روتا ہوں کہ سفر دراز ہے۔ زاد راہ بہت کم ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ نہیں معلوم جنت میں مقام ہوگا یا دوزخ میں"

۴ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت اپنی اولاد سے کہا میری وصیت کون قبول کریگا۔ بڑے بیٹے نے کہا "میں" مرا قرضہ ادا کرنا ہوگا، پوچھا کتنا ہے؟ کہا "۸۰ ہزار دینار" پوچھا کیوں لیا تھا؟ جواب دیا دو قسم کے آدمیوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں۔ شریف النفس غریبوں کی حیا سے سوال نہ کر سکنے والوں کی جو مجبور ہو کر آتے تھے مگر شرم سے مانگ نہ سکتے تھے فرط حیا سے چہرہ سرخ ہو جاتا تھا سوال سے پہلے انہیں دے دیتا تھا۔"

کشتی بدست طوفان

وحیدہ نسیم بی۔ ایس۔ سی

آنکھیں ہیں نذرِ گریاں دل ہے نصیب حرماں
عقل و خرد ہیں حیراں ہر ایک دل ہراساں
کشتی بدست طوفان
اور ناخدا پریشان

کوئی نہیں ستارا تاریک ہر نظارا
اور لاپتہ کنارا ہے اک خدا کا سہارا
کشتی بدست طوفان
اور ناخدا پریشان

موجیں ڈرا رہی ہیں کشتی ہلا رہی ہیں
طوفاں کی صدائیں کانوں میں آ رہی ہیں
کشتی بدست طوفان
اور ناخدا پریشان

انداز ہیں خزاں کے آثار ہیں فغاں کے
ہیں تار تار جامۂ امن ہر ایک بادبان کے
کشتی بدست طوفان
اور ناخدا پریشان

ہیں بادِ طرب نئے فضا کے جھونکے ہیں تند ہوا کے
پتوار چھوٹ چکے ہیں ہاتھوں سے ناخدا کے
کشتی بدست طوفان
اور ناخدا پریشان

بادل بگڑ رہے ہیں جھونکے جھگڑ رہے ہیں
ہر دل میں ہلے لاکھوں گرداب پڑ رہے ہیں
کشتی بدست طوفان
اور ناخدا پریشان

اللہ سے دعا ہے اس ہی سے التجا ہے
ہاں اے نسیم سب سے بہتر وہ ناخدا ہے
کشتی بدست طوفان
اور ناخدا پریشان

براہ کرم تبدیلی پتہ
سے
دفتر کو مطلع کیجیے

تلخیاں

شریف النساء معین الدین

برناڈ شاہ نے بھی تو کہا ہے اے دوست کہ مفلسی دنیا کا سب سے بڑا گناہ ہے اسی لئے شاید امیر غریب کو مجرم سمجھکر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ محبت میں خلوص کتنا ہی کیوں نہ ہو جب افلاس کے ہاتھوں تنگ ساتھی میں حیثیت بڑھ جاتی ہے تو دنیا والے اس سے انجان ہونے لگتے ہیں کہ کہیں اسکی تلخیٔ حیات کا سایہ نہ پڑ جائے ان پر اس میں تیرا کوئی قصور نہیں دوست! کیونکہ جب تو انمول تحفہ اسکے آگے پیش کرتا ہے تو وہ اپنی بے مائیگی اور تہی دستی کا تصور کر کے شرمندہ ہو جاتا ہے اسکی ہمت میں تزلزل پیدا ہو جاتا ہے اور وہ تیری پیشکش کو قبول کرنے کا حوصلہ نہ دیکھکر انکار کر دیتا ہے۔ کاش تیری بصارت کو بصیرت مل جاتی تو اسکے انکار کے وقت کانپتے لرزتے دل کا مشاہدہ کر سکتا فراخدل محسن! لیکن نہیں! خدا کرے ایسا نہ ہو۔ تیری زندگی ویسے بھی کونسی مسرت افزا ہے۔ کہیں اسکی تلخیوں کا اثر نہ ہو جائے اس میں تجھے پژمردہ و اداس دیکھنے کا حوصلہ نہیں وہ تیرے آگے اپنی ساری خودداری بھول جاتا ہے۔ اپنی خودداری کے آبگینہ کو خود اپنے پیروں سے ٹھوکر لگاتا ہے تو وہ اسکی زد میں آکر اسکا دل چور چور ہی کیوں نہ ہو جائے وہ پروا نہیں کرتا اس لئے کہ اسکے پاس صرف خلوص ہوتا ہے۔ اپنی وفا کو سنبھالنے کیلئے وہ اپنا سب کچھ تیری ہٹلی بارگاہ میں نچھاور کر دیتا ہے لیکن شاید دلکشی کی دیا نہ ہونے سے تو بھی اسے قابل اعتنا نہیں سمجھتا اسی لئے جیسا کانٹا کہہ دیتا ہے۔ میں نے تم ہی سے سنا تھا کہ محبت کا بندھن بہت مضبوط ہوتا ہے لیکن شاید مضبوط چیزیں ہی بہت جلد ٹوٹ جاتی ہیں کون جانے مجھ ولدی ایسی باتوں کو سمجھ سکتی ہیں" تو نے اسکے جذبہ محبت اور [illegible] ہی کو نواز ڈالا یہ نہ سمجھا کہ اسکے زخمی دل کو کتنی شدت سے ٹھیس لگی ہوگی مگر سے

دل بدست آور کہ حج اکبر است

ہیچ ہے عمر بھی میں سمجھ اور خود ری کہاں ہے تو، ہے یہ تو مجلہ ہو رہی تقلیں نکلیں سی بیبیاں مگر یہ ہم آرہا تھا ان پہ
جو سپاہی لڑ رہے تھے وہ ... رہتے ہوئے کمر کو مروڑ رہے ... والوں کی رنگینیوں کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے
اور خوش ہو رہے تھے کہ انہوں نے بازی جیت لی لیکن بھولے باز گر بھی یہہ اے دوست! اچھا ہے کہ امیر ایسی
ہی خود فریبیوں کے سہارے جی رہے ہیں ورنہ دھرتی کے سینے پر ایک بھی متنفس ایسا نہ ہوتا جو آنکھوں سے تلخی ایام
کے بگولوں سے جھلس نہ دیا ہو غم جاناں کو بھول کر غم دوراں ہی کا نوحہ نہ پڑھ رہا ہو ورنہ سعدی علیہ الرحمۃ کا
یہہ شعر ہر ایک پر صادق آتا ہے ؎

چناں قحط سالے شد اندر دمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق

خیر جانے دے اے دوست! ابھی تیری زندگی اجیرن نہ ہو جائے اس میں یہہ دیکھنے کی طاقت
نہیں یہ ان پھٹی پرانی ... دامن کے بل کی طرح گزر رہی ہے تیری زندگی کی گھٹا ٹوپ ہی کے بل بوتے
وہ شہنشاہی کو محسوس کر رہا ہے — تیرے ملوک کی تقیاں بھی اس میں مل جائیں تو اس کے سینے سے کٹنے
والے دھوئیں کے ... سدری فضا کو گرد آلود کر دیں گے اور شاہ اس کے سمندروں میں غوطہ لگانے والے امیر
اسکی طرف سے نہ صرف منہ پھیر لیں گے بلکہ اس کو دھکے دیکر اپنی دنیا سے پرے ڈھکیل دیں گے۔ کیونکہ یہہ
نعمار کا تکدر اسکی مفلسی کا آئینہ دار ہوگا — اور مفلسی دنیا کا سب سے بڑا گناہ جو ہے اے دوست۔

نفیس گھر ۱۶۵۲ قریب مارکٹ ملک پیٹھ قدیم حیدرآباد دکن

جہاں نہایت نفاست اور سلیقہ سے ادنیٰ کام اجرت یا پوری قیمت پر تیار کیا جاتا ہے
مراسلت سے ان امور کا تصفیہ ہو سکتا ہے۔

۱ سوٹ مردانہ - زنانہ - طفلانہ - (دو) بلوز
۳ بے بی شوز - پائجامہ - ٹوپی - مفلر - ضرورت پر پتہ یاد رکھیے ایک دفعہ کا
آرڈر آپ کے کام کا ضامن ہو سکتا ہے۔

مکتوباتِ جمیل

اختر محمود ۔ بی ۔ اے

اے ہم نشیں نہ چھیڑ حکایاتِ رنگ و بو
مدت ہوئی کہ بھول چکے ہم بہار کو

شمع ۔۔ !

وطن سے کوسوں دور تاریک زندگی کے ناپید کنار سمندر میں تنہا اپنی حرماں نصیبی اور سیاہ بختی کے سہارے بہی چلی جا رہی ہوں خوشی اور مسرت کی پُر شور لہریں جو پہلے کبھی سر اٹھایا کرتی تھیں ساکن ہو چکی ہیں زندگی کے چاروں طرف ایک گراں بار سکوت ایک مبہم خاموشی اور بے معنی سا جمود چھایا ہوا ہے جیسے زندگی یہاں آ کر رک گئی ہے ایسے میں تمہاری پچھلی باتوں کا تذکرہ کرنا میرے ان زخموں کو چھیڑنا ہے جنہیں [illegible] ہر ٹھیس سے بچانے کی کوشش کر رہی ہوں پھر بھی وہ آپ ہی آپ چھل جاتے ہیں اور رسنے لگتے ہیں ۔ جیسے اب تمہاری یاد [illegible] ۔

پردیس کے دن اور راتوں کا کیا پوچھتی ہو ۔ دن تو خیر تعمیر کی نقش آرائیوں اور تخریب کی برہم زنیوں [illegible] میں بیت جاتا ہے ۔ اور رات ایک ایسی حالت میں کٹتی ہے جسے نہ تو اضطراب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور نہ سکون سے ۔ [illegible] آنکھ لگ جاتی ہے تو سمجھتی ہوں کھوئے ہوئے سکون کی تلاش میں کھو گئی لیکن جاگتی ہے [illegible] اضطراب [illegible] ہوتا ہے [illegible] سے یہ کیا دیا [illegible] مجھے یہ مسلسل خلش یہ مستقل اضطراب [illegible] سوچا کرتی ہوں کہ دنیا کے اس رنگین چمن [illegible] ہو کر [illegible] نالہ بن جاؤں کہ دنیا میں ہر طرف ایک ہنگامہ ایک طوفان آ جائے یا پھر [illegible] کا [illegible] سوچا تو بہت کرتی ہوں مگر کچھ بھی نہیں سکتی ہم وطنوں کی [illegible] نے عمل کی ساری قوت کو کچھ اس طرح کچلا کہ اب نہ وہ جوش عمل رہا نہ

آرزو کی تڑپ رہتا اور نہ لذت جستجو کی پیہم نیش زنی ۔ اب تو ایک موہوم اضطراب سا ہے ایک تلاطم سا پیچ و تاب سا ہے ۔ دراصل اضطراب ہی میں زندگی کی بڑی لذت پنہاں ہے ورنہ وہ زندگی ہی کیا جو ایک ہی طرح کی صبحوں اور ایک ہی طرح کی شاموں میں بسر ہوتی رہے ۔ تم نے دیکھا ہوگا اس دنیا میں مختلف قسم کے لوگ بستے ہیں کوئی اپنا دامن پھولوں سے بھرنا چاہتا ہے تو کوئی کانٹوں سے لیکن دونوں میں سے کوئی بھی تہی دامن اپنانے نہیں کرتا پھر بھلا میں کیونکر اپنا دامن آرزو خالی رہنے دیتی لوگوں نے سر تو ڑ کے پھول اور خوشبوؤں کی کلیاں چن لیں کانٹے چھوڑ دیئے میں نے ان بچے کھچے کانٹوں میں اپنا دامن الجھا لیا ۔ کہ آرزوئے بے سکوں کے لئے خلش خار سے بہتر کوئی چیز نہیں تمہارا شاعر مشرق بھی کہہ گیا ہے ؎

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزار ہستی میں ؎ تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

ہاں مجھ وہ مختصر راتیں اور سہ پہر جو تمہاری معیت میں گذرے ہمیشہ یاد رہینگے میں اول و دماغ و کیف یار لذتیں ما حال محسوس کر رہا ہے جو تمہاری محبت سے حاصل تھیں سنگیں کا وہ بوڑھا درخت بھی میرے دماغ کے ان دیکھے کونوں میں محفوظ رہیگا جس کے آتشیں پھولوں کو چاندنی کی حسن افروزیوں کے ساتھ گواہ بنا کر تم نے ہمیشہ ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا ۔ ایک ایسا وعدہ جیسے شرمندہ وفا کرنیکا خیال بھی تمہارے ذہن میں آ جاگر نہ ہو سکا اگرچہ اس وقت بھی ۔

تیری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا ؎ کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

پھر بھی یہ سوچ کر کہ سے دل کو خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے ۔ جب رہی وہاں وطن میں اپنے پیارے دیس میں ہر وقت تمہاری قربت نصیب تھی لیکن تمہیں اپنے ناز و ادا سے ہی اتنی مہلت کہاں ملی کہ تم کسی کی چارہ گری اور غم خواری کرتیں ۔ اب تو زندگی کی نئی مصروفیتوں میں اسکی آرزو رکھنا کہ تم بھولے سے کسی کو یاد کرو گی آسمان پر چمکنے والے چاند کو پکڑنے کی کوشش لا حاصل ہے بس یوں جان لو کہ جس طرح ؎

تمہیں یاد کرنیکی فرصت نہیں ہے
ہمیں بھول جانیکی عادت نہیں ہے

پخت و پز

زبان ذائقہ کی جو یا ہے موجودہ عہد دہ نہ رہا کہ کیک و بسکٹ ۔ بریانی و قورمہ کی تلاش کی جائے بلکہ ضرورت ہے کہ کم خرچ بالانشین کی جستجو ہو ایک جھونپڑے کا مالک بھی اپنے بوسیدہ دسترخوان کو خوش ذائقہ بنانے ایسی کوشش کرنی چاہیئے کہ معمولی اخراجات میں ایک غریب بھی لذت اٹھائے ذیل میں ایک سادہ طریقہ شکمپور کا پیش کیا جاتا ہے آپ بھی عمل کیجئیے اور دوسروں کو بھی ترغیب دیجئیے

شکمپور ۔ ۔ پاؤ بھر مونگ کی دال لی جائے عام طریقہ پر نمک، مرچ، پیاز، ہلدی وغیرہ شریک کر کے گلائی جائے جسکو کھڑی دال عام محاورہ میں کہتے ہیں جب دال تیار ہو جائے تو ڈھائی تولہ گیہوں کا آٹا شریک کر کے سل پر قیمہ کی طرح پیس لیا جائے شکمپور کی طرح لیموں یا دہی کی چٹنی اندر بھریں اور گھی یا تیل جو میسر آئے اوس میں تل لیں اور لیمو کا عرق چھڑک کر نوش کریں ۔ گوشت سے کہیں زیادہ آپ کو لذت ملیگی ۔

خوش ذائقہ چٹنی ۔ عموماً سنترہ اور نارنگی کے چھلکے پھینک دیے جاتے ہیں ۔ اون چھلکوں کو کسی نمک کے برتن میں ڈالدیا کیجئیے کچھ عرصہ کے بعد اہر چیز کہ در کان نمک رفت نمک شدہ ہو جائیگے جب کبھی معمولی چٹنی پیسی جائے اوس میں تھوڑا سا چھلکہ شریک کریں نہایت اچھی خوشبو پیدا ہوگی جس سے خوب کھل کر اشتہا پیدا ہو گی ۔

مچھلی اور مرغ کی بساند نکالنا

مچھلی اور مرغ کو صاف کر کے لیمو کا عرق مل کر تھوڑی دیر رکھدیں اور پھر دھولیں بساند بالکل نکل جائیگی غرض ہر قسم کی بساند لیمو کا عرق لگانے سے دور ہو جائیگی

ترکاری دھبیے دور کرنا

عموماً ترکاری بناتے وقت ہاتھ اور کپڑوں پر دھبے پڑ جاتے ہیں جو صابن سے بھی دور نہیں ہوتے۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ لیمو کا عرق ملکر گرم پانی سے دھو ڈالیں۔

دہی جمانے کا طریقہ

ادھ سیر دودھ کو گرم کر کے اتار لیں اور جب نیم گرم رہ جائے تو ایک چائے کا چمچہ چکا دہی لیکر تھوڑے دودھ میں حل کر لیں اس کے بعد پورے دودھ میں ملا دیں اور چمچے سے اسی طرح ہلا کر اس کے منہ پر سرپوش ڈھانک کر رکھ دیں اب اس برتن کو قطعی نہ ہلائیں ورنہ دہی میں پانی چھوٹ جائے گا۔

یادداشت

۱۔ ڈاکٹر عبدالقیوم بیگ کاپی گوڑہ حویلی قدیم
۲۔ طوطا مارک بیڑی۔ خمیرہ لکھنوی۔ زردہ وغیرہ چھتہ بازار۔

ضمی ٹیکسی سیکل

انڈر بیرنگ ہاؤس
ملک پیٹھ حیدرآباد نئی بی۔ یس۔ اے
سیکلیں کرایہ پر حاصل فرمائیے
مرمت کا کام اطمینان بخش اور بازار سے کم نرخ پر کیا جاتا ہے

موٹر کی بیاٹری چارجنگ

کا بہترین مرکز جہاں کفایت اور اطمینان کا کام کیا جاتا ہے
روبرو جیلانی ہوٹل اندرون کیپا دنڈ معظم جاہی مارکٹ

محمودیہ مشین پریس میں چھپکر دفتر شہاب بیرون دبیر پورہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوا۔

وحیدہ نسیم کی شاعری

جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی

شاعر بنتا نہیں بلکہ پیدا ہوتا ہے، جو شاعر بنتے ہیں وہ فطرتی شاعر نہیں ہوتے ان کی شاعری میں آمد نہیں بلکہ آورد ہوتی ہے، فطرت میں جنس کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ یہ امانت یا یہ جذبہ دونوں کو حاصل ہوتا ہے دونوں جنس اس ذوق کا حصہ پاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہر ملک میں دونوں شاعر ہیں صنف قوی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ صرف اوسی کا حق ہے ۔۔۔

جامعہ عثمانیہ سے تعلق رکھنے والے شعرا میں جس طرح مخدوم محی الدین، سکندر علی وجد، میر محمد علی میکش، باقی، بدر، وغیرہ نے شاعری کے لحاظ سے اچھے نقش ثبت کئے ہیں، اسی طرح جامعہ عثمانیہ سے تعلق رکھنے والی طالبات بھی ہیں جو شاعری کے لحاظ سے اپنی ہمعصر دنیا میں ممتاز درجہ رکھتی ہیں ان میں تو شاہ بانو خاتون صاحبہ و لطیف النساء بیگم اور ثریا سلیم صاحبہ کے بعد جن کو جامعہ کے دور اول کی شاعرات کہنا چاہئے ان کے بعد اب جن کو امتیاز حاصل ہے ان میں سعیدہ مظہر صاحبہ اور وحیدہ نسیم صاحبہ خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں اس وقت ہم وحیدہ نسیم کی شاعری کا تعارف کراتے ہیں، یوں تو حیدرآباد کی علمی دنیا اور ہندوستان کی اردو دنیا وحیدہ نسیم سے بڑی حد تک واقف ہے۔ لیکن ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ ان کا ذکر کرینگے ۔

وحیدہ نسیم کا ددھیالی نام "فرخندہ خاتون" اور ننھیالی نام نسیم فاطمہ ہے مگر اب وحیدہ نسیم کے نام سے یہ شہرت رکھتی ہیں، آپ کے آباؤ اجداد کا وطن شمالی ہند میں صوبہ یو۔پی ہے مگر گزشتہ اسی نوے سال سے آپ کے آباؤ اجداد قلمرو آصفی میں بود و باش کرتے رہے ہیں، آپ کے والد مولوی محمد فرید الدین صاحب ایڈوکیٹ ہیں۔ ۱۳۳۵ف (۱۹۲۵ء) میں وحیدہ نسیم حیدرآباد میں تولد ہوئیں اور پھر اورنگ آباد میں نشو و نما ہوئی، پانچ سال کی عمر میں مدرسہ میں داخل ہوئیں اور ۱۳۵۲ف میں اورنگ آباد کے فوقانیہ

اسکول سے میٹرک میں کامیابی حاصل کر کے زنانہ کالج حیدرآباد میں شریک ہوگئیں ایف ایس سی، بی ایس سی کی کامیابی کے بعد اب ایم ایس سی میں زیر تعلیم ہیں، بی ایس سی اور ایم ایس سی نباتیات آپ کا خاص مضمون ہے

وحیدہ نسیم کی پرورش نہ صرف علمی ماحول میں ہوئی بلکہ شاعری کی فضا میں پروان چڑھیں آپ کے نانا مولوی اعجاز حسین صاحب علوی کاکوروی اعجاز تخلص اور چچا مولوی خورشید احمد صاحب خاور تخلص اچھے شاعر تھے اور اپنا بہت سا کلام یادگار چھوڑا ہے وحیدہ نسیم کی شاعری کی عمر اس وقت صرف آٹھ سال کی ہے سب سے پہلے مدرسہ میں ۱۹۴۴ء اپنی صدر معلمہ کی خواہش پر انہوں نے نغمہ اسکول (SCHOOL SONG) لکھا — چونکہ اس کے لئے انعام بھی مقرر کیا گیا تھا اس طرح یہ انعام وحیدہ نسیم نے حاصل کیا۔ مگر بعض کو خیال ہوا یہ نظم یا نغمہ ان کا نہیں ہے — اس لئے بطور امتحان ایک مصرعہ طرح دیا گیا جو یہ تھا —— زندگی کیا ہے فقط خواب ہے دیوانے کا اس پر مصرعہ لگانے کیلئے خاص نگرانی کے ساتھ کچھ وقت مقرر کیا گیا۔ وحیدہ نسیم نے حسب ذیل چار شعر موزوں کئے

کچھ نرالا نہیں پہلو میرے افسانے کا ؎ زندگی نام ہے آلام میں گھر جانے کا
کبھی آلام و مصائب میں کبھی عیش و خوشی ؎ زندگی کیا ہے فقط خواب ہے دیوانے کا
حکم کی کرتی ہوں تعمیل کہ لکھتی ہوں غزل ؎ ورنہ لالچ نہیں انعام مجھے پانے کا ،،
بجھ گئی شمع سحر ہوتے ہی محفل میں نسیم ؎ عشق افسوس ملا خاک میں پروانے کا

اس کے بعد نسیم کی شاعری پروان چڑھتی گئی چنانچہ اس وقت تک بہت سارا کلام جمع ہو چکا ہے جس میں سے کچھ حصہ رسالوں ہفتہ وار اخباروں وغیرہ میں شائع بھی ہوا ہے انہوں نے اپنے کلام کو چند اقسام پر تقسیم کیا ہے اور اسکو علحدہ علحدہ نام دیا ہے۔

۱ کوثر و تسنیم — اس میں نظمیں ہیں جن کے متعلق مزید تفصیل کی جائیگی
۲ ساغر و صہبا — یہ غزلوں کا مجموعہ ہے

۳ تبسم حیات — کالج اور ہوسٹل کے متعلق دلچسپ اور مزاحیہ نظمیں ہیں
۴ طفلستاں — بچوں کے لئے نظمیں
۵ درد لا دوا — سیاسی نظمیں ہیں۔

اچھے اور عمدہ کلام کے متعلق تین امور قابل غور ہوتے ہیں یعنی سادگی، نازک خیالی اور تاثر سادگی سے یہ منشا ہے کہ کلام صاف ہو، عام ہو، قوانین فطرت سے متجاوز نہ ہو۔ نازک خیالی سے یہ مراد ہے کہ نئی نئی تشبیہیں ہوتے تمثیلیں ہوں جن سے کلام مرصع، دلچسپ اور دل آویز بن جائے۔

تاثر اور اثر مختلف امور سے پیدا کیا جا سکتا ہے مثلاً درد و غم کے ذریعہ، ہنسی مذاق کے ذریعہ، نیچرل و غیرہ بیان کر کے حسن و عشق کی تصویر کھینچ کر۔ اخلاق کی خوبیاں بیان کر کے غرضکہ کلام کو پر اثر کرنے کے مختلف طور اور طریقے ہیں۔

اس کے ساتھ جو نظمیں ہوتی ہیں ان میں کئی امور قابل غور ہوتے ہیں مثلاً اگر کسی نظم میں واقعہ نگاری کی گئی ہے تو اس کا اندازہ کیا ہے اور جس واقعہ کو نظم کیا گیا ہے آیا اس کی پوری تصویر سامنے آتی ہے یا نہیں پورا واقعہ کی عکاسی کی گئی ہے یا نہیں ۔۔۔ اسی طرح وصف نگاری میں یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ جنگل، پہاڑ، آبشار، چاندنی رات وغیرہ جن کی توصیف کی گئی ہے وہ پوری طرح مکمل ہے یا نہیں اس کا کوئی پہلو نظر انداز تو نہیں ہو گیا۔ پھر صرف سطحی خیالات ظاہر کئے گئے ہیں یا عمیق ہا جزئی جزئی امور کو ترک کر دیا گیا ہے یا ان کی بھی صراحت ہوئی ہے۔

غزلوں کے لئے ان کا تغزل، رنگینی، شگفتگی، لطف زبان، حسن ادا، شوخی بیان، لطافت، عاشقانہ مضمون آفرینی کو دیکھنا ہوتا ہے۔ اور ان ہی امور کے مدنظر کلام پسندیدہ اور عمدہ قرار دیا جاتا ہے اسی سے شاعر کے کلام کو تولا اور پرکھا جاتا ہے یہی وہ معیار ہے جس پر ہم کسی شاعر کے کلام کو جانچتے ہیں۔

ان امور کو پیش نظر رکھ کر ہم وحیدہ نسیم کے کلام کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شاعری درحقیقت قابل قدر ہے کیونکہ شاعری کے مقررہ معیار پر ان کا کلام ہر حیثیت سے پورا اترتا ہے۔

اس مجمل صراحت کے ساتھ ہم کسی قدر وضاحت سے وحیدہ نسیم کے کلام کا جائزہ لیتے ہیں۔

"کوثر و تسنیم" جیسا کہ قبل ازیں تذکرہ کیا گیا ہے اس میں نظمیں ہیں ان کی تعداد اس وقت تک (۶۹) ہو گی ہے یہ نظمیں جن ناموں سے لکھی گئی ہیں ان میں بعض یہ ہیں۔

اگر میں استانی ہوتی، ماں کی دعا، ماضی کی یاد، سکون قلب، مزدور، ہندوستان، بچھڑی سہیلی سے، بچپن کی یاد، مدرسہ چھوڑتے وقت، شفق کے اس پار، انسان سے خطاب، شہر خموشاں، حسن صوگوار، سورج بجھ گیا، تمنا، ہم نشین، قبرستان کی دوپہر، گلاس فیکٹری، تقسیم ازل، فلسفۂ غم وغیرہ۔

ان عنوان سے واضح ہوگا کہ یہ نظمیں مختلف النوع اقسام پر منقسم ہیں، ان میں واقعہ نگاری بھی ہے اور وصف نگاری بھی مناظر قدرت کی ترجمانی بھی ہے اور جذبات نگاری بھی ان میں درد دل بھی سنایا گیا ہے اور عبرت کا سبق بھی دیا گیا ہے، کسی میں رنج و الم کی تعبیر کی گئی ہے تو کسی میں خوشی اور مسرت کا پیغام سنایا گیا ہے کسی میں مناظر قدرت کی عکاسی کی گئی ہے تو کسی میں حال و قال کا نقشہ کھینچا گیا ہے غرض کہ جس طرح نظموں کے عنوان میں تنوع ہے اسی طرح ان میں خیالات اور جذبات کی ہمہ رنگینی اور تخیل کی پرواز اور انداز بیان کی جدت بھی ہے، مختلف النوع نظموں کو نمونہ کے طور پر پیش کرنا طوالت کا موجب ہوگا۔ اس لئے ہم بعض نظموں کے مختصر نمونہ پر اکتفا کرتے ہیں،

ترقی پسند شعرا کا ایک اہم موضوع "مزدور" ہے اگرچہ وحیدہ نسیم اس زمرہ شامل نہیں ہیں، مگر مزدوری کی حالت زار اور ان کی مفلسی کا ماتم ایک غیر ترقی پسند شاعر بھی کر سکتا ہے چنانچہ وحیدہ نسیم نے اس حیثیت سے مزدور ہندوستان کے عنوان پر ایک نظم لکھی ہے اس کے چند شعر ملاحظہ ہوں،

سامنے دیکھوں وہ اک مزدور ہے — مفلسی سے تنگ اور مجبور ہے
دھجیوں سے کچھ ڈھکا ہے اس کا تن — جال ہے نیلی رگوں کا یا بدن
دوپہر ہے سخت لو سے چل رہی — آگ سے ساری زمیں ہے جل رہی
حال اس کا ہو گیا ایسا برا — بوجھ اٹھانے کی نہیں طاقت ذرا
بوجھ بھاری یہ نحیف و ناتواں — جسم میں آخر نہیں کیا اس کے جان
یہ ضعیفی اور مزدوری کا کر — آہ وہ بھی چند پیسوں کے لئے
اک نظر پھر اس نے دیکھا اپنا حال — آگیا پھر بھوکے بچوں کا خیال
بے کسی و لاچاری جو انسان ہے — آہ وہ مزدور ہندوستان ہے

شفق کے اس پار، اس میں تخیل کی پرواز اور خیالات کی ندرت قابل داد ہے :—

وہ قدرت کے رنگین نظاروں میں جہاں آنچل — آلام و مصائب سے ہوتا نہیں دل بیکل
پرواز تصور تو لے چلو وہیں سے چل — اس پار شفق کے تو اے جذبہ دل لے چل
گل ہائے شفق پھولے آکاش کے قالین پر — جوں شرم کی لہریں ہوں کچھ عارض رنگیں پر
آثار فرح بھی ہوں یا عکس ہے شرتا آگین پر — اس پار شفق کے تو اے جذبہ دل لے چل
اک بار پہنچ جائیں ان چاند ستاروں میں — ہستی کو مٹا دیں ہم خاموش نظاروں میں

بادل کے کناروں میں سرمست بہاروں میں — اس پار شفق کے تو اے جذبۂ دل لے چل
کچھ اشک ہوں شبنم کے کلیوں کا تبسم ہو — سوتے ہوئے نغمے ہوں ہلکا سا ترنم ہو
پانی کا تکلم ہو موجوں کا تلاطم ہو — اس پار شفق کے تو اے جذبہ دل لے چل
اس پار شفق کے اک کاشانۂ وحدت ہے — بستی ہے وہ اک جسکو انسان سے الفت ہے
مفقود وہاں لیکن انسان کی صورت ہے — اس پار شفق کے تو اے جذبہ دل لے چل
آوارہ وہاں ہر سو مستانہ ہوائیں ہیں — اور یاد کی الفت سے مخمور گھٹائیں ہیں
جھونکے ہیں نشیلے ہیں مخمور فضائیں ہیں — اس پار شفق کے تو اے جذبہ دل لے چل
گلزار فضائیں کے سن سن کے یہ افسانے — آتی ہیں شعاعیں خود اے دل تجھے سمجھانے
اس پر بھی نہ جانے تو انجام تو ہی جانے — اس پار شفق کے تو اے جذبہ دل لے چل

"قبرستان کی دوپہر" میں جو واقعات لکھے گئے ہیں وہ علامہ علی حیدر طباطبائی مرحوم کے "گور غریباں" کے ساتھ پیش کئے جا سکتے ہیں - نمونہ ملاحظہ ہو -

آہ یہ دوپہر یہ قبرستان — بن گئی ہے زمین ریگستان
ذرے آتش سے سلگے جاتے ہیں — تن بدن گویا پگھلے جاتے ہیں
خاک میدان کی اڑاتے ہیں — گرم لو کے تھپیڑے آتے ہیں
جس قدر بھی نظر کا ہے امکان — سامنے پھیلا ہے قبرستان
آہ قبریں یہ کہنہ بوسیدہ — جسم انسان ہیں ان میں پوشیدہ
درس عبرت یہ دے رہی ہیں مجھے — کہہ رہے ہیں یہ راز کچھ قصے
اشک آنکھوں سے میری بہتے ہیں — ہم سے انسان ان میں رہتے ہیں
ایک وحشت سی یہاں برستی ہے — آہ انسان کی یہ ہستی ہے
کتنی مائیں ہیں یہاں اسیر خواب — جن کے بچے ہیں آج تک بے تاب
دل میں کتنے لگا گئے ہیں آگ — دفن کتنوں کے ہیں یہاں پہ سہاگ
زندگانی کے دکھ بھی پیارے تھے — ساتھ بچپن میں کس کے کھیلے تھے
یاد ہیں اب بھی تم کو وہ گلستان — جن میں پھرتے تھے تم کبھی شاداں

یہ تو بتلاؤ کس سے یاری تھی
نوجوانی کہاں گزاری تھی
محفلوں میں تھے کس سے تم دلشاد
خلوتیں کس کے دم سے تھیں آباد
کل زمیں پر تھے آج زیر زمیں
عمر کو آہ کچھ ثبات نہیں
کیا بھروسہ ہے زندگانی کا
آدمی بلبلہ ہے پانی کا
زندگی کا ہے بس یہی انجام
ہے یہی دور گردش ایام
آہ دنیا اور اس کی ہر ہر شے ہے
جو بھی پیدا ہوئی وہ فانی ہے
ذات قایم فقط خدا کی ہے
ہستی دائم فقط خدا کی ہے
جب ہے لا تقنطوا ترا فرمان
رہے محروم کیوں یہ قبرستان
ہے گناہوں سے ان کا حال خراب
تیری رحمت کا پر نہیں ہے حساب

ان کے صدقہ میں پھر گناہ نسیم
بخش دے تو میرے خدائے کریم

ہر انسان سکون، اطمینان اور امن و امان کا متمنی ہوتا ہے، اطمینان قلب کا جویا ہوتا ہے، مگر یہ دولت بہت کم اصحاب کو ملتی ہے خصوصاً دولتمند تو اس دولت سے اکثر محروم رہتے ہیں —
غرض کہ "سکون" کی تلاش اور جستجو میں ہر متنفس شخص سرگرداں ہوتا ہے اور جسکو سکون حاصل ہو جاتا ہے وہ پھر اطمینان سے بسر کرتا ہے کوئی تو اسکو شام کے اندھیرے میں محسوس کرتا ہے اور کوئی صبح صادق میں اسکو حاصل کرتا ہے کوئی وادیوں اور پہاڑوں میں سکون پاتا ہے تو کوئی دریا کے کنارے آبشار کے قریب شاعر کے لئے جسطرح سکون کی ضرورت ہوتی ہے وہ ظاہر ہے، شاعر کے لئے "سکون" وہ قیمتی دولت اور بیش قیمت شئے ہے جس سے بڑھ کر شاید ہی کوئی شئے ہو۔
"وحیدہ نسیم کی تلاش سکون" وصف نگاری کے لحاظ سے قابل قدر ہے اور پھر تخیل کی پرواز بھی لائق ستائش ہے

دریا کا ہے کنارہ اور شام ہے سہانی
خاموشیوں میں الجھی دریا کی ہے روانی
پھیلا کے شام نے جب اپنا سیاہ آنچل
پھیلی ہے بن کے افشاں تاروں کی ساری ٹولی
جوڑا عروس شب نے پہنا ہے آسمانی
اور اس پہ پھر بنا کی قدرت نے کامدانی
تاروں کی یہ نگاہیں کس چیز پر جمی ہیں
صحرا کی جھاڑیاں سب کس سوچ میں پڑی ہیں

رونق وہ دن کی کیوں اب کم شب کو ہو گئی ہے | تاروں کی چھاؤں میں کیا ہستی بھی کھو گئی ہے
اے چھوٹے چھوٹے تارو ہر دم چمکنے والو | اوج فلک کا کوئی قصہ مجھے سناؤ
غائب و بود ہو گا ہو گا سکون طاری | یاں موت ہی سکون ہے ہستی بے قراری
گذریں یہ سب راتیں خواب و خیال ہو کر | اک بات رہ گئی ہے دل میں سوال ہو کر

فکروں سے پر شکن کیا تاروں کی بھی جبین ہے
دنیا میں کیا کہیں بھی اصلی سکون نہیں ہے

"ساغر و صہبا" وحیدہ نسیم کے "غزلوں" کا مجموعہ ہے، اس میں اب تک تقریباً ایک سو غزل ہیں "غزل" کے متعلق بہت سارے مضامین اور مقالے قلمبند ہوئے ہیں غزلوں کے داخلی اور خارجی اوصاف اور غزلوں کی اہمیت، اور اغراض کے متعلق تفصیلی وضاحت سے صراحت ہو چکی ہے اس لئے غزلوں کے متعلق کوئی تفصیلی غیر ضروری ہے۔

وحیدہ نسیم کے غزلوں میں تغزل بھی اور سوز و گداز بھی موسیقیت بھی ہے اور تصوف بھی۔ ان میں رنگینی اور لطافت بھی ہے اور شگفتگی اور روانی بھی زبان کی حلاوت، بیان کی ندرت، تخیل کی پرواز اسلوب کی جدت سب کچھ پایا جاتا ہے۔

الہام اثر بھی ہے اور نازک خیال بھی لطف زبان بھی ہے اور صفائی و سادگی بھی بطور نمونہ کچھ کلام پیش ہے۔

لب پہ لا کر حرف محبت عشق کو رسوا کون کرے | وہ بھی چپ ہیں ہم بھی چپ ہیں راز کو فاش کون کرے
جو ہم سے بات غیر سے دل ان کا تنگ ضا کرنے لگا | جو خود ہی ہمارے ہو کے رہے ایسوں کی تمنا کون کرے
جو زخم لگایا اور دوا نے اس زخم کو اچھا نہ کیا | جو زخم لگایا خود دل نے اس زخم کو اچھا کون کرے

اپنے ذوق نظر کی غلطی تھی | ہم سے بت کو جو پارسا سمجھے
کہہ دیا اتنا سب کچھ ان کو نسیم | اب نہ سمجھے تو پھر خدا سمجھے
کبھی کھیلے وہ محشر میں دعوی لوگا | شہیدوں میں وہ خون لگائے ہوئے ہیں
ایک بیگانہ ادا ایک چھپتی سی نظر | دل میں بن جائیگی پیکان مجھے معلوم نہ تھا

نگہ ناز سے بس ایک اشارہ پا کر یوں مچل جائینگے ارمان مجھے معلوم نہ تھا

ان کی تلواروں سے نسیم اپنی لڑا کر نظریں

آنکھیں بن جائینگی نینان مجھے معلوم نہ تھا

تو ہر جگہ ہے سجدہ کعبے کو کس لئے وہ کون سنگ ہے جو ترا آستاں نہیں

زندہ رہینگے تیرے شعرا اے نسیم کیا غم ہے تجھکو عمر اگر جاوداں نہیں

ہو چکیں آفتیں تمام نسیم ،، ،، ،، ایک روز شمار باقی ہے

جام مے سے نہ تعلق رہا مے خانہ میں تری آنکھوں ہی سے پی ساغر و صہبا کی قسم

اشک کو تھاما پلکوں پر آہ کو روکا ہونٹوں پر ہم کو گوارا اپنے دل کی کوئی بھی ذلت ہو نہ سکی

رباعی

جناب بحر الدین احمد صاحب سعید بی۔اے (عثمانیہ)

آنچل سر و بازوں سے ڈھلکا ڈھلکا رخ سے اثر نشاط چھلکا چھلکا

احساس غلط کبھی کبھی ہم سوچ پیمانہ انفعال چھلکا چھلکا

فرد

چہرۂ تابان کے نظارے کی تھی یاں کسکو تاب وہ تو یہ کہئے کہ حائل کچھ تری زلفوں کی تھیں

فرد

صبح صادق کی یہ صباحت ہے یا کہ چہرے پہ تیرے تیلی نقاب

فرد

کس درجہ میں حساس رگیں دل کی نہ پوچھو گونج اٹھتی ہیں اک ہلکی سی ٹھوکر سے نظر کی
